مرتب کیجا سکتی ہے، پچھلی جنگ آزادی اور تحریک خلافت کے تمام واقعات جن سے برہما کا تعلق ہے، آگئے ہین، مسلمانان برہما کی ہر قسم کی کیفیت اس مین مذکور ہے، ہندوستان کے اس دور افتادہ ٹکڑے کی اس سے بہتر تاریخ اور سرگذشت ہماری زبان مین موجود نہین، کتابت کی بعض غلطیان رہ گئی ہین اس لیے شروع مین ایک غلط نامہ کا اضافہ کیا گیا ہے، مقدمہ اور روزنامچون کے مضامین پر نظر ڈالکر ایک فہرست مرتب کرکے ابتدا مین درج کیگئی ہے، زبان کی غلطیان کہین کہین ہین، مگر بہت کم ضخامت ۴۰۰ صفحے معارف سائز کاغذ متوسط ہے، کتابت معمولی اور طباعت متوسط ہے قیمت بلا اختلاف کاغذ عہ، عہ، پتہ:- مولوی سید ابوظفر صاحب ندوی عربک پروفیسر صابرمتی (؟) کالج احمد آباد یا دار المصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے۔

اچھوت قومین، یہ انفرمیشن بیورو پنجاب کی طرف سے شائع کیگئی ہے، اس مین سب سے پہلے پنجاب کے بعض بے خانمان گداگر، جرائم پیشہ اقوام مثلاً بوریئے سانسی، میننے اور ہارنی وغیرہ کے متعلق تاریخی اعتبار سے بعض دلچسپ حالات دیئے ہین، اور ہر ہر قوم کے حسب ونسب، زبان، رسوم وعقائد، اور عادات وخصائل سے بحث کیگئی ہے، پھر تمام جرائم پیشہ اقوام پر مجموعی حیثیت سے اون کے اصل ونسب، اور یہ پیشہ اختیار کرنے کے وجوہ وغیرہ بتائے گئے ہین، پھر حکومت برطانیہ نے انکی اصلاح اور درستگی مین جو جو کوششین کی ہین ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی سلسلہ مین ان کے مکمل اعداد وشمار کے نقشے اونکی اصلاح و تہذیب مین دیگر ملکی انجمنون کی خدمات وغیرہ بتائے گئے ہین، سب سے آخر مین حکومت کی طرف سے اونکی سکونت گاہون وغیرہ کے حالات ہین، کتاب دلچسپ اور معلومات کے لحاظ سے مفید ہے، انفرمیشن بیورو سے اسکی شکایت نہین کہ کتاب مین شروع سے آخر تک جابجا ہندوستان مین برطانیہ کے فیوض وبرکات کیون نمایان کئے گئے لیکن شکایت ہے تو صرف یہ کہ اس اظہار وادعا کے سلسلہ مین یہ ضروری نہ تھا کہ ان اقوام کے ارتکاب جرائم کا سبب ہندوستان کی بعض قدیم سلطنتون کو قرار دیا جاتا اور جابجا ان پر غیر ذمہ داری کے ساتھ نکتہ چینی کیجاتی، ضخامت ۶۸ صفحے، کاغذ سفید متوسط درجہ کا ہے، کتابت متوسط اور طباعت معمولی ہے، قیمت ۸ پتہ:- انفرمیشن بیورو، لاہور پنجاب،

جلد شانزدہم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۵ء	عدد چہارم

مضامین

شذرات

مین آج کل مدراس مین مقیم ہون یہ ہندوستان کا "پچھواڑہ" ہے، اگرچہ یہ ہندوستان ہی کا ایک جزء ہو تاہم ایک اردودان یا ہندوستانی دان یا ہندی دان جسطرح اس معنی کو ادا کیجئے اتنا ہی یہان بیگانہ اور اجنبی ہے جس قدر افغانستان یا نیپال یا تبت یا عدن، یا بصرہ مین، کیا جو لوگ ہندوستان کو ایک ملک یا ایک قوم بنانا چاہتے ہین، یہ حالت ان کے لیے قابل التفات نہین، اس پورے احاطہ مین کم از کم چھ سات زبانین بولی جاتی ہین، اوڑیسہ سے متصل، اضلاع برہامپور وغیرہ مین اوڑیا ہے، میسور اور کرناٹک مین کنڑی ہے، اس کے بعد مدراس تک تامل ہے، مدراس کے پیچھے تلنگانہ (آندھرا) مین تلگو ہے، ملیبار کے سواحل مین ملیالم ہے، اور ان سب مین مشترک زبان اگر کوئی ہے تو وہ انگریزی ہے، جو یہان قلی اور گاڑی والے تک بولتے ہین،

———— ⁂ ————

مسلمانون کی حالت اس مین اور زیادہ ناگفتہ بہ ہے، شہر کے لوگ نہ تو اردو ہی اچھی طرح جانتے ہین، اور نہ اپنے ملک ہی کی اچھی فصیح اور لٹریری زبان سے واقف ہین، "دو عملی مین ہمارا آشیان ہے"، اسلئے لکھنے پڑھنے، تصنیف و تالیف، اخبارات اور رسائل کی اشاعت، اور تحریر و تقریر کی قدرت کسی زبان مین بھی نہین، اسلئے ان تمام زبانون مین سے کسی ایک زبان مین بھی مسلمانون کو مسلمان بنانے یا اسلامی واقعات ضروریات اور حالات کے بتانے، اور دنیا کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہین، چند مستثنیٰ مسلمان اہل قلم ان زبانون کے موجود ہین اور وہی کچھ کرتے ہین، اکثر مسلمانون نے ان زبانون کے خط کو قبول نہین کیا ہے وہ ان زبانون کو عربی خط مین لکھتے ہین، اور اس کا نام اردی "مشہور ہو گیا ہے، یہ بھی ان کی مادری زبان کی کمزوری کا باعث ہو،

اور اسلیے اپنے ملک کے سرکاری اور کاروباری صیغون مین و سخت خطرہ مین ہین،

———— • ————

جو مسلمان کہ گاؤن کے اندر رہتے ہین وہ تو اردو سے مطلق واقف نہین، دو چار لفظ شاید بول لین اور کچھ کہ ہم سمجھ جائین، ان کو ہندوستان کی ان تمام اسلامی تحریکون سے جو پھیلی ہوئی ہین واقفیت کا کوئی براہ راست ذریعہ نہین، اردو کی تصنیفات و تحریرین ان کے لیے بیکار ہین، اردو اخبارات بیکار ہین، قرآن پاک کے اردو ترجمے بیکار ہین، تاریخ اسلام اور سیرۃ نبوی کے کسی اردو سرمایہ سے انھین واقفیت نہین، غور کیجئے کہ ان کی اصلاح و تحریک کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے؟ تامل مین صرف ایک اسلامی اخبار سیف الاسلام ہفتہ وار نکلتا ہے، جسکی اشاعت کافی ہے،

———— ⁂ ————

تلگو زبان مین قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے، اور اس کے مقدمہ مین پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مختصر سیرت بھی دیگئی ہے، لیکن آپ جانتے ہین یہ کارنامہ کس کا ہے؟ کسی تعلیم یافتہ مسلمان کا نہین، کسی عالم مسلمان کا نہین، بلکہ ایک ہندو جدید تعلیم یافتہ کا، چیلوکری نراین راؤ ایم اے، ال ٹی، لکچرر راج مندری کالج ( ) نے اس کام کو انجام دیا ہے، اور اس ترجمہ کی غرض و غایت حسب ذیل رکھی ہے،

تاکہ ہندوون اور مسلمانون کو یہ معلوم ہو جائے کہ قرآن پاک اور گیتا کی تعلیم مختلف حیثیتون سے باہم کس درجہ مطابق ہے، اور اس لئے باہم ہندو مسلمانون کا لڑنا کس قدر غلط ہے،

اس ترجمہ کا نام "قرآن شاستر" یا قرآن شریف ہے، غالباً یہ ترجمہ براہ راست عربی سے نہین انگریزی سے کیا گیا ہے،

———— • ————

ادھر کے مسلمان اس درجہ اردو سے دور ہین، خصوصاً گاؤن، دیہاتون اور سواحل کے لوگ،

ان کے لیے اس زبان کا ایک فقرہ سمجھنا مشکل ہے، اندھرا مین تو حیدرآباد کے تعلق اور قرب کے سبب سے خاصی سمجھ لیجاتی ہے، اور شہر مدراس کے بھی لوگ سمجھ لیتے ہین، بنگلور بھی اردو کی جگہ ہے، مگر اندرونی اضلاع اور ملیبار یا پوراکریلا تو بالکل ناواقف ہین، یہان شہر مدراس مین ایک مخیر مسلمان تاجر جمال الدین جمال مرحوم کے بیش بہا توجہ سے ایک مدرسہ جمالیہ عربی کا مدرسہ قائم ہے جس مین ۰ ہ کے قریب عربی خوان طالب العلم ہین، اور چند جید عربی کے مدرس ہین، بانی مرحوم کے صاحبزادہ جمال محمد صاحب نے مجھے اپنے مدرسہ مین آنیکی دعوت دی اور طلبہ اور مدرسین کے سامنے ضروریات حال اور علمار کے موجودہ فرائض کے متعلق تقریر کرنے کی فرمایش کی، لیکن مشکل یہ تھی کہ کس زبان مین گفتگو کیجاے کہ اردو یہ طلبہ مطلق نہین سمجھ سکتے آخران طلبہ نے خود عربی زبان مین تقریر سننا پسند کی، کہ اردو سے زیادہ عربی ان کے لئے سہل اور آسان تھی،

مگر اب لوگون کو ادھر مدرسون مین توجہ ہوچکی ہے، چنانچہ خود اس مدرسہ مین اور بعض بعض اور نئے مدرسون مین اردو زبان کا بھی کورس داخل کیا گیا ہے، مگر پھر بھی اردو کی اشاعت کا کام کرنے والون پر فرض ہے کہ ادھر توجہ کرین اور خود ان اطراف کے وہ مسلمان رہنما جو تعلیم سے دلچسپی رکھتے ہین ان کو کوشش کرنی چاہیئے کہ کم از کم اسلامی مدرسون اور مکتبون مین تو اردو پڑھائی جائے،

ہندی کے پرچار کرنے والون نے ایک مدت سے مدراس کی طرف توجہ کر رکھی ہے یہان ان کا بڑا مرکز ہے، الہ آباد و بنارس کی ہندی انجمن کی طرف سے یہان لوگ متعین ہین، معلمین مقرر ہین جو مفت یا بمعاوضہ کام کر رہے ہین، اور عام ہندو نوجوانون کو ہندی کی تعلیم دیتے ہین، معروف کاروباری، اور طلبہ زیادہ تر رات کے ہندی اسکولون مین شریک ہوتے ہین، اب یہ کوشش کیجا رہی ہے کہ کریلا یعنی ملیبار ٹراونکور اور کوچین وغیرہ کی طرف کے لوگون کو ہندی سکھانے کا کام شروع کیا جائے، اور اس کے لیے

عملی تدابیر ہو رہی ہین، گو خدا کا شکر ہے کہ یہ ہندی کی تعلیم درحقیقت اردو کی تعلیم کا ذریعہ ثابت ہو رہی ہے اور اس تعلیم کے بعد بھی یہان کے ہندو جس قدر ہندی سے واقف ہوئے ہین، یہان کے مسلمان اس سے دس گونہ زیادہ اردو جانتے ہین، اور مدراس مین تو ایسے بھی لوگ موجود ہین جو نظم و نثر اردو مین شمالی ہند کے لوگون سے کسی طرح کم نہین تاہم ہمکو اپنی کوششون سے باز نہ آنا چاہیئے،

اسی سلسلہ مین ایک خوشخبری بھی سنانی ہے، کہ ہماری سیرۃ نبوی کی ضخیم جلدون کا اس وقت کم از کم ٹامل زبان مین ترجمہ کا کام ہو رہا ہے، محمد علی صاحب ملک (بازار روڈ راے پیٹھ مدراس) جو ٹامل کے اچھے ادیب اور اردو سے بھی کما حقہ واقف ہین، انھون نے بڑی محنت سے سیرۃ کی پہلی اور دوسری جلدون کا ترجمہ مکمل کر لیا ہے، اور پہلی جلد مطبع مین بھی جا چکی ہے، ملک صاحب چند روز ندوہ کی بھی ہوا کھا گئے ہین، اور مولانائے مرحوم کے سخت معتقدون مین ہین، اب وہ تیسری جلد کا کام شروع کرنے والے ہین، مین نے ان سے خواہش کی ہے کہ وہ اسی سیرت سے لیکر ٹامل مین ایک مختصر اور آسان کتاب بھی حالات نبوی مین لکھکر شائع کرین،

اشاعت اسلام کا بھی یہان ایک بڑا میدان ہے، عیسائیت اس تیزی سے یہان بڑھ رہی ہے کہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ہر ہفتہ دو ہزار (۲۰۰۰) آدمی یہان عیسائی ہوتے ہین، اگر ہر ہفتہ مین دو ہزار مبالغہ ہو تو مہینہ مین دو ہزار تو کسی طرح زیادہ اندازہ نہین، اسی کو قیاس کیجئے کہ یہان سے مسلمانون کو گیارہ بارہ سو برس سے تعلق ہے، اور عیسائی حقیقی طور سے تین سو برس سے یہان کام کر رہے ہین مگر پوری احاطہ کی مردم شماری مین شاید مسلمانون سے عیسائی زیادہ ہو جائین گے، پھر جو مسلمان ہین بھی ان کا اندرونی علاقون مین یہ حال ہے کہ نام سے زیادہ وہ مسلمان نہین، یہ حالت سخت توجہ کے لائق ہے

مسرت ہے کہ ہمارے دوست مولوی محی الدین صاحب بی اے ناظم دعوت و تبلیغ نے ادھر توجہ کی ہو اور یہان اپنی انجمن کی ایک شاخ قائم کر دی ہے، اور دو چار آدمی کام کر رہے ہین، جو دقت ہو وہ ہر جگہ مالی سرمایہ کی ہے، تاہم یہان کے ہمدرد و معزز مسلمان تاجرون نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اور کچھ ہو رہا ہے، بلکہ اس جمعیت کے ذریعہ سے ملیبار مین اور جہان بھی اس کے مکتب اور یتیم خانے ہین اردو کی ترقی بھی ہو رہی ہے، ملیبار کے مکتب مین اردو لڑکے بولتے اور لکھتے ہین، ملیبار مین ایک اردو ریڈنگ کلب بھی قائم کیا ہے،

مدراس اگر جو دیکھا تو سعدیؒ کا مشہور شعر یاد آیا،

کریمان را بدست اندر درم نیست | خداوندانِ نعمت را کرم نیست

یعنی جہان کام ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے، وہان روپیہ نہین، اور جہان روپیہ ہے وہان کام نہین، یہان کے بعض مدرسون کے دیکھنے اور بعض کے حالات سننے کا اتفاق ہوا، مدرسۂ جمالیہ جسکا مین نے اوپر ذکر کیا اسکی عمارت، مدرسین کی تنخواہ، طلبہ کے وظائف اور کھانے کپڑے کے انتظام کا پورا بار صرف ایک مسلمان تاجر محمد جمال صاحب اُٹھا رہے ہین، ان کے والد نے اس مدرسہ کے لیے کئی لاکھ کا وقف چھوڑا ہے، ۱۲ سو روپیہ سالانہ کا اس پر خرچ ہے، اسی کے ساتھ ترچناپلی مین ایک مجلس العلماء ہے جس کا اصل مقصد نومسلمون کی تعلیم و تربیت و امداد تھا، مگر یہ اپنے مقصد سے آج بہت دور ہے، تاہم صرف ایک محمد جمال صاحب ۵۰۰ ماہوار اوس مجلس کو تنہا، اور پانچ چھ سو ماہوار متفرق طور سے اس مجلس کو دیتے ہین، دس گیارہ سو ماہوار آمدنی اور بہت کچھ اوس کے پاس جمع ہے، مگر کام کیا ہو رہا ہے؟...

ایک اور مدرسہ یہان کا باقیات صالحات ویلور مین ہے، اور ایک مقدس بزرگ مولانا عبدالوہاب مرحوم کا قائم کیا ہوا ہے، یہ مدراس کا آجکل سب سے بڑا عربی مدرسہ ہے، مولوی ضیاء الدین صاحب آجکل اس کے ناظم اعلیٰ ہین، اس مدرسہ کے پاس کئی لاکھ کا سرمایہ ہے، ہزارون کی ماہوار آمدنی ہے، ابھی جناب سی عبدالحکیم صاحب جو یہان کے سب سے بڑے مسلمان تاجر چرم ہین انھون نے پچاس ہزار اس مدرسہ مین طب کی شاخ یہان قائم کرنے کے لیے دیا ہے، مگر ابھی تک یہ مدرسہ اپنی پرانی لکیر سے نہین ہٹا، گو کچھ کچھ یہان تجدید کی بھنک آ رہی ہے،

ایک اور مسلمان تاجر نے جو اہل حدیث مین ہین، یعنی حاجی عمر صاحب سے نے اپنے وطن قریہ مین عمرآباد ایک نئی آبادی قائم کر کے خود تنہا اپنے صرف سے ایک مدرسہ دارالسلام قائم کیا ہے جسکی عمارت، سرمایہ اور اخراجات کے وہ تنہا کفیل ہین، اور کئی لاکھ کا سرمایہ اس کے لیے وہ مہیا کر چکے ہین یا کر رہے ہین،

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ قابل ذکر اندھرا (تلنگانہ) کا ایک عربی مدرسہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ ہے، جو کرنول مین قائم ہوا ہے، یہ مدرسہ ایک انجمن اسلامیہ کے ماتحت ہے جو اپنے مخلص کارکنون کی بدولت روزافزون ترقی پر ہے، مدرسہ سمجھدار اور لائق لوگون کے ہاتھون مین ہے اور ہمارے مدرسۂ دارالعلوم ندوہ کے طرز پر چلایا جا رہا ہے، اس کا نصاب سات برس کا ہے، جدید علوم حساب، اقلیدس، جغرافیہ، تاریخ اور ابتدائی سائنس کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور ادب عربی اور دینیات کی تعلیم زیادہ دیجاتی ہے، قدما کی کتابین اور جدید مصری کتابین زیر درس ہین مدرسہ چندہ پر چل رہا ہے، ریاستون مین سے اس کو سرکار نظام سے پچاس ماہوار اور خود اندھرا کی مسلمان ریاست بنگن پلی سے پچیس ماہوار ملتے ہین، باقی ۵۰۰

ہا ہوا ہے قریب مسلمان چندہ دن سے جمع کرتے ہین، اس مدرسہ کی خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہان اردو کی تعلیم لازمی ہے پورے احاطہ مدراس کے لیے نہ سہی مگر کم از کم اندھرا علاقہ کے مسلمانون کے لیے اس مدرسہ سے ہمکو بہت کچھ توقعات ہین،

شہر مدراس مین چند کتبخانے بھی ہین جنمین سے دو سرکاری ہین، میوزیم لائبریری اور گورنمنٹ مینوسکرپٹ لائبریری (قلمی کتابون کا سرکاری کتبخانہ) اس سرکاری قلمی کتبخانہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ ہندوستان مین سنسکرت کتابون کا سب سے بڑا خزانہ ہے، تقریباً اکیس ہزار سنسکرت کتابین یہان موجود ہین، اسکے بعد دوسرا درجہ تنجور کے سنسکرت کتبخانہ کا ہے، اور تیسرا درجہ دکن کالج پونہ کے سنسکرت ذخیرہ کا ہی، بہرحال اس قلمی کتبخانہ مین دو ہزار کے قریب عربی و فارسی کتابین بھی ہین، اور بعض اردو بھی ہین، زیادہ تر کتابین خاندان ارکاٹ سے آئی ہین، بعض تیموری یادگارین بھی ہین، شرح ملاجامی کا ایک نسخہ ہے جس کے اخیر مین یہ عبارت ہے کہ یہ مولانا جامی کے اصل مسودہ سے تیسری نقل ہے، اور اس کے آخر مین خود مولانا جامی کی یہ عبارت نقل ہے، کہ

"فقیر عبدالرحمٰن جامی اس مسودہ کی صفائی سے سنیچر کے دن، چاشت کے وقت ۱۱ رمضان ۸۹۵ھ کو فارغ ہوا"

اس کتبخانہ مین بعض کتابین سلطان صلاح الدین کے خاندان کی بھی ہین بعض یمنی سلاطین کے یہان کی ہین، منجملہ ان کے ایک قاضی فاضل سلطان صلاح الدین کے وزیر کا عربی دیوان، نہایت خوشخط چھوٹی تقطیع پر ہے، ایک اور کتاب ہے جو غالباً ملک شام کے سلطان سیف الدین ابوالحسن علی بن عمر بن قزل کیلئے لکھی گئی تھی، جسکا نام مفرح النفس ہے، عربی مین ہے، اس مین پہلے فرحت و لذت کا فلسفہ لکھا ہے، پھر ایک ایک حاسہ کے لذائذ پر فلسفیانہ بحث ہے اور آخر مین مفرحات کے بہت سے نسخے ہین، کتبخانہ مین زیادہ تر طب اور صرف و نحو کی کتابین ہین، خمسہ خسرو کا نہایت عمدہ باتصویر خوشخط چھوٹی تقطیع کا نسخہ نہایت اچھی حالت مین ہے اور اس سلاطین تیموریہ کی مہرین مین عجیب چیز ہے،

اسی سلسلہ مین، ایک اور دلچسپ کتاب دیکھنے مین آئی، اس کا نام "واقعات اظفری" ہے، شاہ عالم بادشاہ کے عہد مین تیرھوین صدی کے آغاز مین ظہیر الدین میرزا علی بخت گورگان معروف بہ میرزا کالان اور متخلص بہ اظفری ایک شہزادہ تھے، غلام قادر خان کے واقعہ کے وقت مین یہ موجود تھے، بہرحال یہ کسی وجہ سے شاہ عالم سے ناراض ہو کر قلعہ سے ایک متقار کے لباس مین بھاگے ہین، اور جے پور، جودھپور ہو کر پھر رامپور اور بریلی ہو کر اودھ آئے ہین اودھ سے پٹنہ عظیم آباد، یہان سے مرشد آباد و بنگالہ، بنگالہ سے اڑیسہ ہو کر تلنگانہ سے گذر کر مدراس والاجاہ ارکاٹ کے یہان آگئے ہین ۱۲۱۳ھ مین شہزادہ موصوف نے اپنے اس سفر مشاہدات اور واقعات کا یہ مجموعہ لکھا ہے آخر مین اپنے اردو دیوان کا خلاصہ بھی شامل کیا ہے، اور اس عہد کے تمدن کی عجیب تصویر ہے، معارف کے ناظرین کے لئے اس تصویر کا عکس لے لیتا ہون کبھی موقع سے انکو دکھاؤنگا،

علی گڈھ یونیورسٹی کی جوبلی کی تقریب سے نئی نئی دلفریب اور دلکش تجویزین پبلک مین آرہی ہین، ان کا مقصد اگر محض لوگون کو اس "اجتماع عظیم" کیطرف ترغیب دلاکر ان کو چند روز اپنا مہمان رکھکر صرف اپنی مجلس کی رونق بڑھانا نہین ہے، تو یہ مبارک، اسی سلسلہ مین اردو کی اشاعت اور ترقی کی تجویز بھی ہے، جو دس استفسارات کے تحت مین "ہمدردان اردو" کے نام بھیجی گئی ہے اور ان سے جواب چاہا گیا ہے، تاکہ جوبلی کے جشن کے موقع پر اردو کے لیے جو اجتماع ہوگا اس کے سامنے تمام جوابون کا خلاصہ سنایا جائے، اس مطبوعہ خط مین یہ افسوس کیا گیا ہے کہ سرمایہ کی کمی کے باعث کوئی کمیشن بنایا نہین جاسکتا جو شہر شہر پھر کر ان سوالات کے جوابات جمع کرتا اور شہادتین قلمبند کرتا، ہم کو اپنے دوست مولوی رشید احمد صاحب صدیقی لکچرر اردو مسلم یونیورسٹی کے جذبات سے پوری ہمدردی ہے اور انکی "ظریفانہ سنجیدگی" (سنجیدہ ظرافت نہین) سے بھی ڈر لگتا ہے، تاہم سوال یہ ہے کہ اس "کوہ کندن و کاہ برآوردن" سے ان کا مقصد کیا ہے، نہ جوابات کی ضرورت ہے، نہ کمیشن پر حسرت ہے نہ اس کے لیے رپورٹ مرتب کرنے کی حاجت ہے، یہ عیاشانہ قومیات کے فرصت کے گھنٹون کے

تو یہی شغلے ہین، آپ کچھ کرنا بھی چاہتے ہین؟ کر بھی سکتے ہین؟ کرینگے بھی؟ اور کیا آپکو کرنے بھی دیا جائیگا،

اگر کرنا چاہتے ہین تو مدراس، بنگال، بمبئی، ممالک متوسط وغیرہ مین جائیے، انجمن اردوے معلّی کے مرکز قائم کیجیے، اردو مدرسے جاری کرائیے، اردو مدرسون کا کورس بنائیے، نوجوان جمع ہون جو راتون کو شبینہ اردو اسکول قائم کرین، گاؤن گاؤن نہ سہی تو قصبون مین پھر کر کام کرین، ہر جگہ اردو کے کمیٹی نے قائم کرائین اور اردو تقریر و تحریر کے لیے طلبہ کی انجمنین بنوائین، ان کے لیے انعامات مقرر کیجیے، منیوسپل مدارس اردو کے قائم کرائیے، اردو قرأت خانے کھلوائیے، عدالتون مین اردو کے داخلہ کی اجازت دلوائیے، یہ ہین کام کرنے کے اگرہم آرام طلب بیرزامنش نستعلیق ان کو کرسکتے ہون، جیب من ع اندکے نیز درین کار جنون می باید، اور اس کے بغیر کچھ نہین ہوسکتا، اور یون تو حسب ضرورت اردو ہماری زبان خود بخود اسی طرح پھیلتی جاتی ہے جس طرح اسلام ہمارا مذہب خو بخود ہندوستان مین پھیل رہا ہی، نہ اس کے لیے ہمکو کوشش کی ضرورت ہے اور نہ اس کے لیے ہم کو محنت کی حاجت؛

یہ تو اردو کی جغرافی وسعت کا جواب تھا، علمی حیثیت سے اسکی ضرورت ہے کہ ایک بڑے سرمایہ سے دار الاشاعت قائم ہو، جو اردو کی تمام اچھی کتابون کو یکجا کرکے شائقین کے لیے مہیا کرے، تمام پچھلی تصانیف کو دوبارہ چھاپے، نئی تصنیفات کو خرید کر شائع کرے، مصنفین کی حوصلہ افزائی کرے، جدید علوم اور مسائل پر کتابین لکھوائے، مختلف یونیورسٹیون مین اسکی اعلیٰ تعلیم کے لئے کوشش کرے،

مقالات

ہستی باری عزّ اسمہٗ

ایک اجمالی مگر غائر نظر

از

جناب محمد یوسف خان صاحب سلیم شادانی بریلوی بی اے پروفیسر مشن کالج لاہور

انسان کے لیے، خدائے تعالیٰ کی جستجو، تلاش، اس کے متعلق تحقیق و تفحص، غور و فکر سے بڑھکر کوئی تلاش اور تحقیق نہین کسی شے کی تحقیق و تفتیش، اس قدر ضروری نہین، جسقدر کہ اس ذات پاک کی، ہر سوال، اور تحقیق اسی ایک امر پر منحصر ہے، بلکہ ہماری ساری زندگی، رجحان طبع، طریق کار، طرز معاشرت، صرفِ اوقات سب کا دار و مدار اسی بات پر ہے، اسی ایک سوال کے جواب پر ہے، "خدا ہے یا نہین" اس کائنات کا کوئی خالق، مدبر، منتظم ہے یا نہین؟" بادنیٰ تامل معلوم ہوسکتا ہے کہ اس سوال سے زیادہ اہم اور کوئی سوال نہ ہے نہ ہوسکتا ہے، ہماری ساری زندگی کا انحصار اسی پر ہے، اور جس طرح دنیا کے تمام سوالات مین، یہی سوال اہم ترین ہے، قابل تحقیق امور مین یہی تحقیق اولین ہے، اسی طرح کائنات مین صرف، انسان ہی اسکا جواب دیسکتا ہے، کیونکہ اس سوال کا جواب خواہ نفی مین ہو یا اثبات مین، غور و فکر کو مستلزم ہے اور سوائے انسان کے اور کوئی مخلوق صفت، غور و فکر (Thinking reason) سے متصف نہین،

ایک حیوان مطلق، مثلاً گھوڑا، اس سے زیادہ کچھ نہین کرسکتا کہ جب اسے ضروریات حیوانی لاحق ہون تو اپنی جبلت کے مطابق ان کا دفیعہ کرے اور اپنی زندگی، احساس حیوانی یا تحریک طبعی (....) کے ماتحت بسر کرے، دن کو کھیت یا میدان مین کام کرے، بارکشی کرے، اور رات کو تھان سے باندھ دیا جائے، پھر صبح کو اسی کام پر لگا دیا جائے، اور قوانین قدرت کی رو سے جب اس کا وقت آن پہنچے تو زمین پر گر کر جان دیدے، لیکن وہ حق بجانب ہے، اگر وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہین کرتا، تو اسکی وجہ یہ ہے کہ کر نہین سکتا، آخر خصائص نوعی سے بالاتر کس طرح ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر انسان بھی جو عالم صغیر ہے، اشرف المخلوقات ہے، خلق فی احسن تقویم ہے، حامل امانت کہا جاتا ہے، مسجود ملائکہ ہے، خلیفۃ اللہ فی الارض ہے، گھوڑے کی طرح خواب وخورش کے دایرہ سے باہر قدم نہین نکالتا، صبح سے شام تک روزی کی فکر کرتا ہے، اور رات کو کھا پی کر چارپائی پر دراز ہوجاتا ہے، عیش کا طالب ہے، تکلیف سے متنفر ہے، پیاس لگے تو پانی کی طرف دوڑے، سردی معلوم ہو تو آگ ڈھونڈے، نیند آئے تو سو رہے، بھوک لگے تو کھائے، اور موت آئے تو چپکے سے مرجائے اور حیوانی زندگی ہی مین عمر عزیز رایگان کھودے تو پھر حیوان اور انسان مین فرق کیا رہا؟ وہ طغرائے امتیاز کدھر گیا؟ اس نے خدا کی عطا کردہ، افضل ترین نعمت یعنی عقل سے کیا کام لیا؟ آخر اسے کس مصرف کی چیز بنایا؟

نہین نہین انسان عقل سے بھی کام لیتا ہے، وہ رات دن اس جستجو مین ہے کہ کس طرح دولت مہیا کرون، کس طرح اپنے دشمن کو زیر کرون، کس طرح دنیا کو ہموار کرون، کسطرح، معاشرتی، اقتصادی اور مالی ترقی کرون، آگ کیا ہے، ہوا کیا ہے، پانی کیا ہے، آسمان کیا ہے، زمین کیا ہے، ستارے کیا ہین، کس طرح انہین اپنے استعمال مین لاؤن، کس طرح ان سے فائدہ اٹھاؤن، پر نہین لیکن اڑنے کی فکر کرتا ہے، موت سے مفر نہین لیکن اس سے بچنے کے ذرائع ڈھونڈتا ہے، دنیا کی ہر چیز

کو معلوم کرنا چاہتا ہے، وہ ہے اور تحقیق وتفتیش، رات دن، فطرۃ اور قانون فطرۃ سے بحث کرتا ہے، پھر کس قدر حیرت انگیز ہے اگر وہ تمام دنیا کے حقائق کی جستجو کرے اور اپنے کو بھول جاوے، اگر وہ تمام امور ومسائل مین تحقیق وتلاش، غور وفکر کرے اور اس اہم ترین سوال کی طرف متوجہ نہ ہو، خدا ہی نہین دنیا کے اہم سے اہم سوال کو، سائنس اور فنون لطیفہ (....) کی بلند ترین مونشگافیون کو، عقل کی ارفع خیال آرائیون کو، غرضکہ ان تمام باتون کو، جو انسانی عقل کے حیطۂ اقتدار مین آسکتی ہین بھلا اس اہم ترین سوال سے کیا نسبت ہے؟ کس طرح یقین ہو کہ انسان تمام امور دنیاوی مین تو غور وفکر کرے اور اس سوال سے اعراض؟ ساری باتین تو اس کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرلین لیکن یہ سوال اس کی نظر مین کچھ اہمیت نہ رکھے؟ وہ سوال جس پر سارے سوالات کا انحصار ہے، کوئی سوال ایسا نہین جو بواسطہ یا بلا واسطہ اس اہم سوال سے متعلق نہ ہو، وہ سوال جو اپنے اندر انسان کی کایا پلٹ دینے کی قابلیت رکھتا ہے، جس نے اس رینی ڈیکارٹ کو جو فوجی افسر تھا وہ ڈیکارٹ[1] بنادیا جو فلسفۂ جدیدہ کا بانی ہے، جس نے اگسٹائن کو، جو ایک عیاش طبع نوجوان تھا، وہ سینٹ اگسٹائن[2] بنادیا، جو آج دنیائے مسیحیت مین آفتاب ہو کر چمک رہا ہے، جس نے محمد الغزالی[3] کو حجۃ الاسلام بنادیا، جس نے ایرسٹن کے بیٹے کو افلاطون[4] الہی بنادیا، جس نے انسلم[5] کو غیر فانی شہرت بخشی جس نے

[1] (Reni descartes) رینی ڈیکارٹ یورپ کا مشہور فلاسفر ہے، جس نے ہی دلیلون سے اثبات واجب الوجود کیا، یہی سوال اسکے سامنے آیا تھا۔
[2] (St. augustine) سینٹ اگسٹائن ایک مشہور عالم الہیات اور بڑا زبردست پیشوائے دین مسیحی تھا، پہلے عیاشی کی زندگی بسر کرتا تھا لیکن ایکدفعہ یہی سوال اسکے سامنے آگیا اور پھر وہ ہمہ تن اس سوال کے جواب مین مصروف ہوگیا، بس اسی سوال نے اسکی کایا پلٹ دی اور وہ کچھ سے کچھ ہوگیا، آج دنیائے مسیحیت نے دنی کا لقب دیا ہے۔
[3] امام غزالی زبردست متکلم فلسفی وفاضل الہیات اور صوفی غرضکہ اسلام مین عظیم الشان انسان گذرا ہے۔
[4] افلاطون، ابن ارسطن یونان کا مشہور فلاسفر دنیا کے عظیم الشان انسانون مین تھا جسنے سب سے پہلے خدا کی ہستی پر دلیل قائم کی، افلاطون ہی کہے مین۔
[5] انسلم (ANSELM) یورپ کا زبردست متکلم فلسفی اور فاضل الہیات علم کلام مسیحی کا بانی جسنے بدلیل لمی اثبات ذات حق تعالی کیا، اسکی دلیل بہت مشہور ہے۔

جلال الدین کو مولوی[1] روم بنا دیا، جس نے ارسطو[2] کو معلم اول کا لقب عطا کیا، جس نے اسپینوزا[3] کو حکیم کے لقب
سے ممتاز کیا، جس نے کینٹ[4] کو ابدی زندگی بخشی، اسی سوال نے اس سے (Critique of Prac. reason)
لکھوائی، ان وہی سوال جس نے موسیٰ کو کلیم اللہ کے نام سے دنیا میں قائم کیا، جس نے آنحضرت محمد صلعم[5] کو جنھوں نے
بچپن میں بکریاں چرائیں اور جوانی میں تجارت کی، بقول برٹینکا[6] "دنیا کی کامیاب ترین مذہبی شخصیت"
(most succesful of all the religions personalities of the world) بنا دیا، کیا اسکا
سوال، ناقابل التفات کہا جاسکتا ہے؟ یہ وہ سوال ہے جس نے کڈورتھ[7]، کلارک[8]، فائڈر[9]، کیمبل[10]،
ومیں[11]، ہملٹن[12] کو غیر فانی شہرت عطا کی ہے، کیا ایسا سوال جو انسان سے بحیثیت انسان تعلق رکھتا ہے،
اس قابل ہے کہ اسکی طرف توجہ نہ کیجاوے؟ یہ سوال انسان کی زندگی کے کسی ایک پہلو سے متعلق نہیں
محض سیاسی یا معاشرتی یا تمدنی یا علمی، یا محض عقلی، یا محض قومی، نہیں بلکہ انسان سے من حیث الانسان
متعلق ہے، اور اسی لیے اس کا جواب کسی ایک پہلو سے نہیں ہوسکتا بلکہ اس کا کافی وشافی جواب انسان
بحیثیت مجموعی، کی جانب سے ہونا چاہیئے،

[1] جلال الدین رومی، سرآمد صوفیائے کرام، فاضل جلیل، عارف ربانی، جسکی مثنوی محتاج تعارف نہیں، آپ نے اپنی تصنیف میں براہین عقلیہ اثبات واجب الوجود کیا ہے، عقلی ادلہ کو سلیس اشعار میں نظم کر گئے ہیں، [2] ارسطو، یونان کا مشہور فلسفی، منطق کا موجد، تمام علوم مروجہ اس کے زمانہ میں موجود تھے، دستگاہ کامل رکھتا تھا، حرکت سے واجب تعالیٰ کی ہستی پر استدلال کیا ہے، اسکی دلیل کو حکیم ابن مسکویہ نے فوز الاصغر میں بسط کے ساتھ لکھا ہے، [3] اسپنوزا، یورپ کا مشہور فلاسفر جس نے بدلیل لمی اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے، اس کا مسلک وحدۃ الوجود ہے (Spinoza) [4] (Kant) کینٹ، جرمنی کا مشہور فلاسفر، اٹھارہویں صدی کا سب سے بڑا فلسفی، اخلاقی دلیل سے اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے، [5] آنحضرت صلعم شروع سے غور و فکر کے عادی تھے، آخر یہ سوال آپ کے سامنے بھی آیا اور آپ نے اس کا جواب دیا مگر فلسفیوں کی طرح نہیں، چنانچہ آپ کے متعلق جو آرٹیکل انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں لکھا گیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ صرف اس سوال ہی کی وجہ سے آپ کی زندگی میں یہ انقلاب ہوا، اگر یہ سوال سامنے نہ آتا تو پھر جیسے اور تھے ویسے ہی آپ بھی رہتے، [7] (Cudworth) کڈورتھ اپنے زمانہ کا فاضل ترین انگریز تھا، اس سے زیادہ فلسفیوں سے واقف کوئی شخص نہ تھا، اس نے خدا کی ہستی پر ایک بے نظیر اور لاجواب کتاب لکھی ہے، (The True Intellectual System of the Universe) [8] (Clarke) ایک زبردست فاضل الٰہیات اور بے مثل منطقی اور بڑا فلسفی تھا، مذہب اور فلسفہ دونوں میں یکتا، اس نے خدا کی ہستی پر ایک عدیم المثال کتاب لکھی ہے، (De monstration of the Being and attributes of God) [9] [10] [11] یہ سب فاضل الٰہیات گذرے ہیں جنھوں نے بدلائل عقلیہ اثبات واجب تعالیٰ کیا ہے اور مادہ پرستوں اور دہریوں سے مقابلہ کیا،

اس سوال کا پورا پورا اور صحیح جواب محض قوۂ متخیلہ یا قوۂ مدرکہ کی بنا پر نہیں دیا جاسکتا، انسانی زندگی
کا ایک پہلو اس پر کافی روشنی نہیں ڈال سکتا، کیونکہ انسان، خالصۃً فکر یا ادراک محض نہیں ہے، بلکہ وہ انکے
سوا کچھ اور بھی ہے، انسان محض دماغی قوتوں کا نام نہیں عقل کے علاوہ اس کے سینہ میں دل بھی ہے، دل
کے علاوہ اس میں حاسہ اخلاقی (moral faculty) بھی ہے اس حاسہ کے علاوہ اس کے
پاس ایک چیز اور بھی ہے جسے "ضمیر" کہا جاتا ہے، عقل مجرد اس سوال کا فیصلہ نہیں کرسکتی، عقل کے ساتھ
ضمیر اور حاسہ اخلاقی بھی جواب میں شریک ہوگا، کیونکہ سوال، انسان سے ہے، جواب بھی انسان سے
ہونا چاہیئے، اور یہ بات بخوبی عیان ہے کہ خدا، عقل کی نسبت ضمیر سے زیادہ قریب ہے اور خدا اگر علتِ
اولی پہلا سبب ہے تو اس کی ہستی کا یقین، ادراک وفکر پر مبنی نہیں، بلکہ وجدان سلیم، یا احساسِ
وجدانی پر موقوف ہے، کیونکہ تمام علوم کے اصول اولیہ اور مبادیات کی بنیاد، یقین وجدانی پر (INT
RITIVECONIRCT-ION) ہے جس طرح عقاید کی بنیاد، قیاس و استنباط پر ہے اور یہ بات مسلم ہے
کہ انسان کو جیسا وجدانی یقین خدا کی ہستی پر ہے، اور کسی چیز پر نہیں ہے، ہماری اخلاقی زندگی پکار پکار کر
اسکی ہستی کا اقرار اور اعتراف کر رہی ہے، ہماری ذہنی قوتیں تمام کی تمام اس کے وجود پر شاہد ہیں،

خدا کا انکار، در اصل اس یقین کامل، اور اعتقاد واثق کا انکار ہے جو اسکی ہستی کے متعلق ہمارے
دل و دماغ میں پیوست ہے، اور یہ انکار، اسی سے سرزد ہوسکتا ہے جو عقل و شعور سے بیگانگی اختیار
کرچکا ہو، اور ہوش و خرد سے ہاتھ دھو بیٹھا ہو، اس بدحواسی کا نقشہ، مشہور فلاسفر لکٹنبرگ[1] (Lich
Ten berg) نے اپنی ایک پیشگوئی میں اس طرح کھینچا ہے، "پچھلے لوگ بھوتوں پر اعتقاد
رکھتے تھے، لیکن جب علم و دانش میں ترقی کی، تو ان پر اعتقاد رکھنا، کہ بھوت بھی کوئی چیز ہے ایک
حماقت اور جہالت کا نشان سمجھا جانے لگا، میرا خیال ہے کہ یہ دنیا اس قدر ترقی کر جاوے گی کہ ایک

[1] (Lich Ten berg) ایک مشہور جرمن فاضل الٰہیات اور پیشوائے دین مسیحی تھا،

زمانہ وہ آئے گا جب خدا پر اعتقاد رکھنا، کہ وہ بھی کوئی چیز ہے، ایسا ہی مضحکہ خیز ہوگا جیسا آجکل بھوتون پر اعتقاد رکھنا اس کے بعد دنیا اور آگے ترقی کرے گی اور اس زمانہ کے لوگ صرف بھوتون ہی پر اعتقاد رکھ سکین گے، کیونکہ وہ خود "خدا" کے مرتبہ تک پہنچ جاوینگے"

انسانی دماغ مین، خدائے تعالیٰ کی ہستی کا وجدانی یقین موجود ہے، اور ہمارے لئے ناممکن ہے کہ اپنے آپ کو اس وجدان سے بیگانہ اور ناآشنا بنالین یا بنا سکین، ہم اپنے متعلق یا دنیا کے متعلق کچھ نہین سوچ سکتے، تاوقتیکہ خدا کے تصور کو اپنے غور وفکر مین کسی نہ کسی طرح شامل کرلین، جب ہم اپنے متعلق کچھ سوچنا شروع کرتے ہین، تو خودبخود اس غور وفکر کو تصور ذات باری سے متعلق اور متحد کردیتے ہین، یعنی جب ہم اپنی ذات مین غور کرتے ہین، خدا کا خیال، از خود ہمارے سامنے آن کھڑا ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس کی ہستی کا یقین ہمارے دل وجان مین مرکوز ہے، اگر وہ کبھی ہوتا تو بیشک ایسا نہ ہوتا، لیکن یہ اعتقاد، یقین، ایک فطری شے ہے اور ہماری طبیعت کا ذاتی تقاضا ہے، جب ہم اس طبیعت کے ماتحت غور وفکر کرتے ہین تو ہمارے خیالات بسرعت تمام اس عالم محسوس ومحدود سے پرواز کرتے ہین اور ایک غیر مشہود، غیر محدود ہستی تک جا پہنچتے ہین، اور جب تک پہنچ نہ جاوین، انھین قرار نہین آتا، حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خدا کا تصور کرنے پر مجبور ہین اسکی ہستی کا یقین، ہمارے شعور وعقل مین اسی طرح مرکوز ہے جس طرح، اپنی ہستی کا یقین، یا عالم خارجی کی ہستی کا یقین، خدا کا علم، ہماری روح (نفس ناطقہ) کا ویسا ہی ضروری اور لازمی عنصر ہے جیسا کہ اپنی ذات کا علم، تصور باری، نفس ناطقہ کا لازمی اور حقیقی خاصہ ہے"، ایپک ٹیٹس[له] کہتا ہے "اگر مین بلبل ہوتا تو گاتا، میرا کام ہوتا، اگر ہنس ہوتا تو ہنس کی سی زندگی بسر کرتا، (یعنی خواص تبدیل نہین ہوتے اور ہر حیوان تقاضائے ذات کے ماتحت زندگی بسر کرتا ہے) لیکن مین صاحب عقل وشعور انسان ہون

له (Epictetus) یونانی فلاسفر پہلی صدی عیسوی کا، بچپن مین غلام رہا، عمر بھر شادی نہین کی،

لہذا میرا کام خدا کی حمد وثنا کرنا ہے" گویا ما خلقتُ الجن والانس الا لیعبدون" ایپکٹیٹس کا قول اس آیہ کی تفسیر ہے" ربنا ما خلقت ھذا باطلا" جس طرح گانا اور چہچہانا بلبل کی ذات کا تقاضا ہے اسی طرح خدا کی حمد وثنا کرنا میری ذات کا تقاضا ہے، گانے کی خواہش بلبل کی طبیعت مین مرکوز ہے، خدا کا اعتقاد انسان کی فطرۃ مین مرکوز ہے، الست بربکم؛ قالوا بلیٰ۔

ارڈمین[له] (Erdmann) کہتا ہے "علوم طبعی (moral science) کی ایک حد ہے جس سے آگے وہ ایک قدم نہین رکھ سکتے، ایک مقام پر پہنچکر ان کی سرحد ختم ہوجاتی ہے، اس سے آگے نہین جاسکتے، اور یہ حد وہ ہے جہان تک ہمارے مشاہدات حسی (Experience of the senses) اور وہ نتائج جو ان تجربات ومشاہدات پر مبنی ہین، جاسکتے ہین، جہان یہ ختم ہوتے ہین اسی جگہ، طبعیات کی سرحد ختم ہوتی ہے" دوسری جگہ کہتا ہے "تجربہ، جس پر طبعیات کی بنیاد ہے، نیستی سے ہستی کے متعلق کچھ نہین جانتا، یعنی نیستی سے ہستی ہونا ہمارے تجربات کے خلاف ہے لیکن کیا اس قسم کا آغاز ناممکن ہے؟ کیا یہ خیال کہ نیستی سے ہستی ہوسکتی ہے، خلافِ عقل ہے؟ ہرگز نہین یہ سچ ہے کہ ہم نیستی سے ہستی کا تصور نہین کرسکتے، لیکن یہ کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ جو چیز ہماری عقل مین نہ آئے وہ ممکن نہ ہو! کیا ہماری عقل ہمہ دان اور عالم الکل ہے؟ مادہ کی ابتدا کا مسئلہ، آفرینش کا مسئلہ، طبعیات کا مسئلہ نہین ہے سائنس اس جگہ بالکل خاموش ہے" اور اسی جگہ سائنس ختم ہوتا ہے اور مذہب کی سرحد شروع ہوتی ہے، مذہب ہی ان باتون کا جواب دیسکتا ہے کیونکہ وہ ایک قادر مطلق خالق ارض وسما کی ہستی کا یقین پیش کرتا ہے، جس پر ایمان لانے سے یہ عقدہ حل ہوتا ہے، ورنہ سائنس تو اس معاملہ مین دم بخود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آخر کوئی شے اپنے انداز سے باہر نکل ہی کیونکر سکتی ہے؟ اس قسم کے مسائل سائنس کی رسائی سے پرے ہین، سائنس کا کام تو مشاہدات اور محسوسات تک ہے، اس سے آگے نہین،

له (Erdmann 1805-1892) جرمن فاضل الٰہیات ہیگل کا شاگرد اور پروفیسر تھا [illegible] فلسفہ کا پروفیسر

اسی بات کو استاذ مرحوم علامہ شبلی[1] نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف الکلام مین عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے اور اگر سائنس کی حدود کو ملحوظ خاطر رکھا جاوے تو مذہب اور سائنس مین کبھی تصادم نہین ہو سکتا۔

ہمبولٹ[2] (Humboldt) کہتا ہے "علم تخلیق عالم یعنی (Cosmogony) مین مادہ کی ازلیت فرض کر لیگئی ہے اور اس علم مین مادہ کی مختلف صورتون اور شکلون سے بحث کیجاتی ہے، اور ان حالتون کا ذکر کیا گیا ہے جن مین سے گذر کر موجودہ دنیا ایک خاص شکل مین مرتب ہوگئی ہے، لیکن اس کے علاوہ اور جس قدر مباحث ہین وہ اس علم کے دائرہ اور (Scope) زاویۂ عمل سے باہر ہین، انکی بحث، فلسفہ مین ہوتی ہے"،

ورچو[3] (Virchow) جیسا ماہر طبعیات بھی یہ کہنے پر مجبور ہے "مین نے علانیہ طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ تخلیقِ عالم کا مسئلہ، سائنس کی بناء پر حل نہین ہو سکتا، تحقیقات سائنس اس گتھی کو مطلق نہین سلجھا سکتی"،

اسٹز[4] (Stutz) مشہور ماہر طبقات الارض (Geologist) اپنی تصنیف "حقائق ایمان" مین [illegible] بڑے بڑے ماہران طبعیات مثلاً لائبگ[5] (Liebeg)

[1] ہندوستان کا فاضل یگانہ اور بڑا مصنف، تاریخ، الہیات، فلسفہ، منطق، کلام، ادب، عروض وغیرہ غرض کہ ہر فن مین دستگاہ رکھتا تھا، اس کی مشہور تصنیفات علم کلام، الکلام، الفاروق، المامون، شعر العجم وغیرہ ہین، ہندوستان مین تنقید کا فن اسی نے رائج کیا، بقول سید سلیمان ندوی علامہ موصوف، ملا محب اللہ بہاری بھی تھا اور شاہ ولی اللہ بھی، [2] (Humboldt) (1769-1859) ماہر طبعیات اور محقق جرمنی کا باشندہ تھا، [3] (Virchow) (1821-1902) جرمن ماہر Pathologist، [4] (Stutz) عالم طبقات الارض اور کیمیا وغیرہ (جرمنی)، [5] (Liebeg) جرمن ماہر علم کیمیا Chemist 1803-1873

بوائل[1] (Boyle) رٹر[2] (Ritter) شون بین[3] (Schonbein) مارٹیس[4] (Martius) کا قول پیش کرتا ہے کہ "سائنس ہمہ دانی کا دعوی نہین کر سکتا، اسکی حدود مقرر ہین جن کے آگے نہین جا سکتا، اور جہان سائنس کی سرحد ختم ہوتی ہے، مذہب کا دور دورہ شروع ہوتا ہے، اور خود سائنس کا مطالعہ انسان کو اس امر پر مجبور کرتا ہے کہ ایک نادیدنی ہستی ہے جو پس پردہ کام کر رہی ہے"، لیکن ہمارے زمانہ مین جو لوگ خدا کا انکار کرتے ہین وہ زیادہ تر اس بنا پر کہ انھون نے نہ فلسفہ کا مطالعہ کیا نہ سائنس کا، انھین مطلق خبر نہین کہ جس سائنس کے بل بوتے پر وہ خدا کا انکار کرتے ہین اور بے شعور مادہ کو خدا بناتے ہین، وہی سائنس ان پر لعنت کرتا ہے اور تبرا بھیجتا ہے (ان کے اقوال پر) وہی سائنس خدا کی ہستی کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتا ہے، زیادہ سے زیادہ بی اے پاس کر لیا، دو چار ناول آسکر وائلڈ[5] یا میری کوریلی[6] کے پڑھ لیے، کچھ بے ربط اقوال شاپن ہار[7] یا فکٹے[8] کے سن سنا لئے، اور یقین کر لیا کہ واقعی خدا نہین، کیونکہ مل[9] یا کانگٹ[10] ایسا ہی لکھتے ہین گویا مل یا کانگٹ کو خدا (نعوذ باللہ) سمجھ لیا کہ ان کے اقوال مین غلطی ہو ہی نہین سکتی،

[1] (Boyle) رابرٹ بوائل 1627-1691 انگریز نیچرل فلاسفر اور سائنس دان جسکی یادگار مین بوائل لیکچر کا سلسلہ جاری ہوا، [2] (Ritter) (1791-1869) جرمن فلاسفر اور فاضل الہیات ۱۸۳۳ء سے ۱۸۶۹ء تک فلسفہ کا پروفیسر رہا، [3] (Shonbain) جرمن ماہر طبعیات [4] (Martius) Ger. Scientist and Botanist اور علم النباتات، [5] (Oscar Wilde) (1794-1868) انگلستان کا مشہور ناولسٹ اور انشا پرداز، [6] (Mericoreli) انگلستان کی مشہور ناولسٹ، [7] Schapenhauer 1788-1860 جرمنی کا مشہور فلاسفر، [8] (Fichte) جرمنی کا مشہور فلاسفر جسکا مذہب یہ تھا کہ نظام عالم خدا ہے، [9] (J. S. Mill) انگلستان کا مشہور فلاسفر اور منطقی مشہور لا ادری گذرا ہے، [10] (Comte) کانگٹ، فرانس کا مشہور فلاسفر Positivism کا بانی،

کوئی ان دیوانون سے پوچھے کہ تمھارے شاہین ہابز[1] یا فکٹے نے یا لامیٹری[2] نے اپنے معتقدات کی بنا پر اپنے فلسفہ کی رو سے، ان حقائق کو بے نقاب کر دیا، جنھین تم حقائق کہتے ہو؟ مادہ مین شعور اور حکمت، مقصد اور ارادہ ثابت کر دیا؟ تخلیق عالم کا مسئلہ حل کر دیا؟ خدا کو اس لیے چھوڑا کہ وہ حواس خمسہ سے محسوس نہین ہے لیکن کیا کانگٹ نے مادہ کو محسوس کر لیا؟ اسے روبرو، دیکھ لیا؟ کیا ان لوگون نے جنکے مذہب کی تعریف، خود ان کے مذہب کا ابطال کرتی ہے، تمام کائنات کا چپہ چپہ دیکھ ڈالا؟ جو بڑے طمطراق کے ساتھ اسکی ہستی کا انکار کر بیٹھے؟ خدا کا اسلیے انکار کیا کہ خدا کہان سے آیا؟ کس طرح موجود ہو گیا؟ لیکن کیا انھون نے یہ معلوم کر لیا کہ مادہ کہان سے آیا، کس طرح متحرک ہو گیا؟ خدا کا لامتناہی ہونا تو سمجھ مین نہ آیا، لیکن مادہ کا لامتناہی اور لاتجزی ہونا سمجھ مین آگیا؟ کیا یہ گروہ منکرین باری تعالیٰ، نظام عالم کو باطل ثابت کرنے مین کامیاب ہو گیا؟ ہو سکا؟ ہو سکتا ہے؟ کیا انھون نے یہ ثابت کر دیا کہ دنیا مین کوئی قانون کام نہین کر رہا ہے؟ کیا وہ موجودات کو مقصد اور غایت سے معرا ثابت کر چکے؟ کر سکتے ہین؟ ڈاکٹر کرسلیب[3] ([illegible]) کہتا ہے وہ اگر کوئی شخص کہے کہ خدا نہین ہے تو یا تو وہ دراصل کامل تحقیق کے بعد ایسا کہتا ہے یا بلا غور و تحقیق، اگر بلا تحقیق ایسا کہتا ہے، تب تو اس کا قول لائق التفات نہین، اس سے کہدو کہ جاؤ صحیفۂ فطرۃ کا مطالعہ کرو، اور اگر وہ یہ کہتا ہے کہ مین تمام روئے زمین، تمام کائنات تمام نظام شمسی تمام افلاک الغرض سب جگہ گھوم آیا ہون ہر شے کو دیکھا، کہین خدا کا نشان نہین ملتا تو وہ اپنے قول سے اپنی تردید کرتا ہے، اسلیے کہ یہ کام انسان کا نہین بلکہ خدا کا ہے۔" ان ملاحدہ سے کوئی

۱ ([illegible]) انگلستان کا فلاسفر، مادہ پرست تھا، سنہ 1588-1678 ۲ (LOME) TTERIE) فرانس کا مشہور ملحد، مادہ پرست تھا، ۳ (Christlieb) جرمنی کا مشہور فاضل الٰہیات اسکی مشہور کتاب Christian belief (MODERN DOUBTS) ہے،

پوچھے کہ خدا کو اس لیے نہین مانتے کہ سمجھ مین نہین آتا اقلیدس اور علوم ریاضی کو پھر کیون تسلیم کرتے ہو، نقطہ سمجھ مین آگیا؟ ذرا ایسا نقطہ ہمین دکھا جسمین جسامت نہ ہو! ذرا ایسی سطح یا ایسا خط ہمین دکھا جس مین چوڑائی یا عرض نہ ہو!

وہ کہتے ہین، جو بات ہماری عقل مین نہ آئے، اسے ہم تسلیم نہین کرین گے اور نہ وہ ممکن ہے، بہت خوب: نیستی سے ہستی سمجھ مین آگئی؟ یعنی مادہ مین شعور نہین، اس سے انسان بنا، اس مین شعور کہان سے آگیا؟ جو چیز اصل (مادہ) مین نہین فرع (انسان) مین کہان سے آگئی؟ ضرور نیستی سے ہستی ہوئی ورنہ شعور اور ارادہ کا مبدأ اور (ORIGIN) بتاؤ، مادہ کے کون سے جز مین پایا جاتا ہے، یا جز نہ ہو تو کل مین ہو؟ اور اگر نہین دکھا سکتے تو پھر مانو کہ نیستی سے ہستی ہو گئی اب اس مفروضہ، کو عقل سے مبرہن کرو، ذرا ثابت تو کر دو۔

کیا یہ بات عقل مین آتی ہے، یا کہ ممکن العقل ہے، تمھارے تجربہ مین ہے کہ کوئی نقشہ مجوزہ ([illegible]) خود بخود، بلا کسی نقشہ نویس کے، بلا کسی صاحب عقل ہستی کے، بس آپ سے آپ صفحۂ کاغذ پر کھنچ گیا ہو؟ یہ بات عقل مین آتی ہے کہ ایک جاہل مطلق شکسپیر کے ڈرامون سے بہتر ڈرامے لکھدے جس حال کہ وہ الف، بے سے بھی واقف نہ ہو! اگر یہ معمولی بات خلاف عقل ہے تو پھر اس سے بڑھکر یہ بات عقل مین آتی ہے کہ حروف تہجی خود بخود ہون اور کچھ عرصہ کی لوٹ پلٹ کے بعد رومیو جولیٹ[1] طیار ہو جائے، ہر لگے نہ پھٹکری رنگ آئے چوکھا؟ حقیقت یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا وہی انکار کرے گا، جس نے صحیفۂ فطرۃ کا مطالعہ نہین کیا، جس قدر سائنس کا مطالعہ کرو، اسی قدر خدا کی ہستی پر دلائل اور شواہد ملتے ہین، سائنس باواز بلند پکار رہا ہے کہ ع کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین، سچ فرمایا حضرت داؤدؑ نے "بیوقوف انسان اپنے

۱ (Romeo Juliet) شکسپیر کا مشہور ڈرامہ ہے،

دل مین کہتا ہے خدا نہین" (زبور ۱۴) ان لوگون سے کوئی پوچھے، بھلا تم نے اپنے فلسفہ کی بنا پر تمام سوالات کا جواب دے لیا؟ انسان تو محدود اور فانی ہے، "لامتناہیت" اور "بقا" ان کے تصورات کس طرح اس کے دماغ مین جگہ پا سکے؟ یہ تصورات، انسانی دماغ کی کوشش یا غور و فکر کا نتیجہ نہین ہو سکتے، پھر کہان سے آگئے؟ جس طرح نیستی سے ہستی نہین ہو سکتی، اسی طرح جزء کل سے مختلف نہین ہوتا، معلول مین علت سے زیادہ نہین ہوتا، اور ([illegible]) اَم سے امرد نہین ہوتا، مادہ مین سوچنے کی قوت کہان سے آگئی؟ اور اس پر طرہ یہ کہ اس قوۃ سے تصور اور تعقل کرتا ہے ان باتون کا جو اسکی ذات سے غیر ہین[1]، جب وہ محدود ہے تو محدودیت کا آئینہ اس کا محدود دماغ کس طرح پیدا کر سکا؟ کر ہی نہین سکتا پھر ایک لامحدودیت پر کیا منحصر ہے؟ جزئیات تو محسوس اور مشہود ہین، کلیات کا ادراک کیسے کر سکا کیا کسی مادہ پرست، یا لاادری نے انسانیت، نیکی، بدی، حیوانیت، تناسب، ان چیزون کو بچشم خود ملاحظہ کیا ہے؟[2] اس کے علاوہ حسن کو لیجئے، حسن خود (ABSTRACT) یعنی قائم بالغیر ہے، اسکی تعریف، یعنی جسم متناسب الاعضا، تناسب خود (ABSTRACT) ہے، مادہ، مدرک کلیات!

(۳) ان دونون باتون کے علاوہ "تناسب" (SYMMETRI) نسبت، لحاظ (ZATIDPIOPOITION) قاعدہ، قرینہ بغیر اس کے کہ ذی شعور منتظم مقدم تسلیم کیا جاوے، ممکن العقل نہین، کیونکہ جو چیز بلا تصرف صاحب عقل و شعور ہوتی ہے وہ تناسب اور قرینہ کی ضد ہوتی ہے، تناسب اور قرینہ نہین ہوتا، اسے (COMOS) نہین کہتے بلکہ (CHOOS) کہتے ہین، یہی ملاحدہ جو مقصد، غایت، تناسب، قرینہ کے الفاظ استعمال کرتے رہتے ہین، اور انھین بجائے خدا کے، بے شعور مادے سے منسوب کرتے ہین جب کمرہ سجاتے ہین تو سجانے والے اور اس فن کے ماہر بلاتے ہین، حالانکہ بے شعور مادہ کو بلانا چاہیئے،

(۴) ان سب کے علاوہ، متناسب، جسم، یعنی حسن، دلپذیر کیون ہے؟ مادہ کو حسن سے کیا لگاؤ؟

مادہ کو admiration / Appreciation سے کیا نسبت؟ یہ تو کلی ہے، جزی تو نہین، یعنی مادہ مین حسن پرستی کا مادہ (تحسین و تعریف) کہان سے آیا؟ مادہ حسن کا احساس کس طرح کر سکتا ہے؟ مادہ تو حرکت ہے نہ کہ شعور! کیا صداقت (Truth) حسن (Beauty) نیکی (Goodness) مادہ کے خواص ہین؟ حالانکہ سوائے مخبوط الحواس کے، اور ہر شخص ان کا پرستار ہے، ہمارے اندر انھین پیار کرنے کی خواہش کہان سے پیدا ہوئی؟ مادہ مین نہ صداقت ہے نہ حسن ہے نہ نیکی ہے؟ ہان بیشک ایک ہستی ہے جو صداقت مطلق، حسن مطلق اور خیر مطلق ہے وہ خدا ہے جس نے یہ تصورات ہمین دیئے اور ہمارے اندر ان سے محبت کرنے کا مادہ رکھدیا، جو مادی نہین، اور ان تینون امور کی معرفت بقول، افلاطون و ہیگل، خدا تک پہنچاتی ہے، یہ کام مادہ کا ہو سکتا ہے؟ پھر اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہین۔

انسان کے دماغ مین اگر کوئی تصور رفیع ترین ہو سکتا ہے تو وہ خدا کا تصور ہے، اور یہ تصور لازمی تصور ہے، چنانچہ اس کے لازمی اور ضروری ہونے پر ایک منٹیس کا قول شاہد ہے، اور یہ لزوم اس امر کو مستلزم ہے کہ ہمارے تصور کا مصداق، موجود فی الخارج ہے اور ہم سے علیحدہ ایک ہستی ہے، اس کے لازمی ہونے کے یہ معنی ہین کہ (۱) جس طرح گانا بلبل کے لئے ضروری ہے، خدا کا تصور انسان کیلئے ضروری ہے (۲) قوائے ذہنی اس ترکیب پر اور اس نہج پر واقع ہوئے ہین کہ ان کے لیے واجب کا تصور ناگزیر ہے، اور (۳) اسکی ہستی کا یقین اگرچہ دلائل عقلیہ سے بھی ہوتا ہے مگر (INTRITIUELY) وجدانی طور پر، اندر سے دل پکار اٹھتا ہے، کہ اس کائنات کا بنانے والا کوئی ضرور ہے، خیال باری تعالےٰ سچ مچ، اسکی ہستی پر یقین کا مرادف ہے، ہم اس کے خیال سے باز نہین رہ سکتے، اور کیا تماشہ ہے کہ جب اس کا خیال یا تصور کرین گے تو بحیثیت "موجود" کرین گے، سبب اس کا یہ ہے کہ اس کو موجود تصور کرنا عقل کا تقاضا ہے،

یہ سچ ہے کہ اس علم باری تعالیٰ (Consciousness of God) مین ترقی ہو سکتی ہے، مگر ای پر کیا موقوف ہے، تمام صداقتین جو وجدانی طور پر حاصل ہوتی ہین، ترقی پاتی ہین، اور یقین وایمان کے مراتب طے کرتی ہین، اور تو اور، علم ذاتی مین ترقی ہوتی ہے، بچپن مین اور جوانی مین آدمی وہی ہوتا ہے مگر علم مین فرق ہوتا ہے،

پھر یہ تصور، مختص بالقوم اور مختص بالزمان نہین، یہ تصور "عام" بلکہ اعم ہے، سسرو[1] کہتا ہے،

"دنیا مین کوئی قوم ایسی نہین، جو کسی نہ کسی رنگ مین، خدا پر اعتقاد نہ رکھتی ہو، گو کہ اس کی ذات وصفات سے مطلق ناواقف ہو"

یہ قول ایک ناقابل تردید حقیقت ہے، جس سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا، سوائے جاہل اور بیوقوف کے، ہزارہا سالون کا تجربہ اس کا مؤید ہے، سسرو کے زمانہ سے لیکر اب تک سیکڑون ممالک دریافت ہو چکے سینکڑون اقوام معلوم ہو چکین، مگر خدا اور مذہب دونون کی عزت اور عظمت ہر جگہ، ہر زمانہ مین، ہر قوم مین یکسان موجود رہی ہے، کوئی قوم ایسی نہین، جس مین خدا کے متعلق اعتقاد نہ پایا جاتا ہو، یا جس کے افراد مین، خدا کے متعلق کچھ نہ کچھ علم موجود نہ ہو، آج تک دہریون، (ملاحدہ) کی قوم دریافت نہ ہو سکی، یہ تو بقول افلاطون ایک بیماری (دماغی خرابی) ہے "جو جوانی مین بیشتر لاحق حال ہو جاتی ہے" (افلاطون)، خود ملاحدہ نے بہت کوشش کی کہ کوئی قوم ملحدانہ خیالات کی معلوم ہو جائے لیکن ابھی تک کامیابی نہ ہو سکی، اور نہ آیندہ ہونے کی امید ہے، تا وقتیکہ انسان کی دماغی کیفیت، اور غور و فکر کے اصول و قوانین اور مبادیات علم (Laws of Thought, Principles of [illegible]) نہ بدل جاوین، اس وقت تک، نہ تصور ذات باری، دور ہو سکتا ہے نہ دہریون کی قوم دستیاب ہو سکتی ہے، کیا کیا جائے، انسان تو دماغی اور ذہنی قوتون کی بنا پر مجبور ہے کہ ایک وجود

[1] ([illegible]) روم قدیم کا بہترین فاضل انسان، بڑا مدبر، فلسفی اور بہترین لیکچرار،

واجب کو جو تمام چیزون کی علت تامہ تسلیم کرے، اس تصور کا برانگیختہ ہونا، اسکی مرضی پر موقوف نہین، علتہ تامہ، موثر اول، یا واجب الوجود کا تصور اسکی نفسیاتی اور عقلی زندگی کا تقاضائے ذاتی ہے، نہ وہ اس سے اعراض کر سکتا ہے اور نہ نفس اس تصور سے باز آ سکتا ہے، علم باری تعالےٰ تو ہماری ذہنی زندگی کا ایک جزو لاینفک ہے اور ضروری عنصر ہے،

افریقہ کے حبشی، کلاہاری[1] کے وحشی، کانگو[2] کے جنگلی، گیانا[3] کے بش مین، امریکہ کے سرخ انڈین، نیو ہالینڈ کے وحشی، اسٹریلیا کے جنگلی، نیوزیلینڈ کے ماوری سب کے سب خدا پرست ہین، اس معنی مین کہ اپنے سے بالاتر ہستی، کے قائل ہین، یعنی مذہب کا آئڈیا ان مین بھی موجود ہے، غرضکہ جہان جہان حضرت انسان پائے جاتے ہین وہان وہان مذہب بھی، خواہ یہ اقوام اخلاقی پہلو سے کتنی ہی پیچھے کیون نہ ہون، لیکن خدا پرستی کا عنصر ان کی زندگی سے دور نہین ہوا ہے" جو بات اس قدر اعم ہو اس قدر مقبول اور مسلمہ ہو جس پر تمام دنیا کا اتفاق ہو جھوٹی نہین ہو سکتی" یہ سسرو کی دلیل ہے، جو اس نے اثبات واجب الوجود مین پیش کی تھی، وہ کہتا ہے "ہم مین سے ہر ایک کے نفس مین خدا کا اعتراف منقوش ہے پس ہمارے لیے اسے نہ جاننا اور اسکی ہستی سے ناواقف ہونا ناممکن ہے"،

یہ ممکن ہے کہ خدا کی ہستی کے یقین سے ایک شخص انکار کر دے، اگرچہ وہ یقین اس کے دل مین موجود ہو، چنانچہ الحاد، عقل کا تقاضا نہین، نہ الحاد کی بنیاد عقل پر رکھی جا سکتی ہے، بلکہ یہ انسان کی مرضی یا اس کے ارادے سے پیدا ہوتا ہے، عقل تو الحاد کو نزدیک نہین آنے دیتی، یہی شیخ سعدیؒ بھی فرماتے ہین،

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار — ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

[1] (Kalahari) جنوبی مغربی افریقہ کا ریگستان، [2] (Kango) وسطی افریقہ کا ملک، جہان وحشی اقوام آباد ہین، [3] (Guiane) مغربی افریقہ کا ملک، یہان بھی وحشی اقوام آباد ہین

ہماری عقل ہر وقت خدا پرستی کی طرف رہنمائی کرتی رہتی ہے، مثلاً ہم جانتے ہین کہ جو شے کسی مقصد کو پورا کرے، وہ مقصد کے ماتحت بنائی گئی ہے اور اس کا بنانیوالا کوئی صاحب عقل و شعور انسان ہے جس کے دماغ مین اس شے کا نقشہ پہلے سے موجود تھا، مثلاً گھڑی، کیمرا، دوربین، موٹر کار وغیرہ وغیرہ، اب کون بیوقوف ہوگا جو ان چیزون مین تو (Design) غرض و غایت، مقصد و مطلب تسلیم کرے، اور یہ کہے کہ گھڑی فلان شخص نے ایجاد کی، کیمرا، فلان شخص نے ایجاد کیا، دوربین فلان شخص نے بنائی، موٹر فلان کاریگر نے بنائی، مگر انسان کے اعضا مین نہ مقصد ہے نہ غایت، نہ ربط نہ ڈیزائن (Design) اور یہ کہ انسان خود بخود بن گیا"

یعنی کیمرا تو خود بخود نہین بنا، مگر، مگر آنکھ جسے دیکھکر کیمرا بنایا گیا، وہ خود بخود بن گئی: دہریون اور ملاحدہ کے اعتراض عموماً ناواقفیت، عدم علم، عدم مطالعہ، پر مبنی ہوتے ہین، بلکہ اکثر اوقات مضحکہ خیز ہوتے ہین، مل کہتا ہے" اگر خدا ہوتا تو آگ نہ لگا کرتی" کانگٹ کہتا ہے" اگر خدا ہوتا تو چاند مین کمی بیشی کو راہ نہ دیتا" اور جو دلائل الحاد کی تائید مین دیئے جاتے ہین وہ اکثر اوقات، اسکے ماخذ کو پردۂ اخفا مین لانے والے ہوتے ہین،

غور کیجئے، مل کا اعتراض، اسکی (مرضی) یعنی ذاتی خواہشات" سے پیدا ہوا ہے نہ کہ اس کے عقل سے"

اگر وہ عقل سے کام لیتا تو اُسے معلوم ہوتا کہ قانون قدرت، مین مداخلت بیجا نہ کرنے ہی سے تو خدا کی عظمت و بزرگی عیان ہے، اس نے ایک قانون مقرر کر دیا، اس کے موافق کام ہوگا، اور جو شخص قانون توڑے گا، نتائج برداشت کرنا پڑین گے فرض کیجئے، ایک کسان کی غفلت سے آگ لگی، تو ابتدائً غفلت سے ہوئی، غفلت کی پاداش، اس کسان کو بھگتنا لازمی ہے، اب آگ کا خاصہ جلانا ہے، اُس سے دور نہین ہو سکتا، وہ جلائے گی، آگ لگیگی، گاؤن جل جا دے گا، بیشک

ایسا ہی ہوگا، لیکن اگر کسان اپنی غفلت کا نتیجہ نہ پائے، سزا نہ بھگتے، قانون اور خواص کا عدم ہو جائین تو پھر یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے، غرض آگ کا لگنا اس صورت مین قابل اعتراض تھا جب اللہ میان خود اس امر کے خواہشمند ہوتے کہ فلا گاؤن مین آگ لگ جائے، اب سلسلۂ علۃ و معلول، قائم ہے، ابتدا کسان کی عورت سے ہوئی جس نے کھانا پکا کر آندھی کے دنون مین آگ کو نہ دبایا، ہوا چلی، آگ کی چنگاریان چھپر مین جا لگین، بسرعت پھیل گئین، آگ لگ گئی، یہ سب کچھ مربوط ہے،

اب مسٹر مل کو لیجئے، وہ چاہتے ہین کہ خدا ایسا ہو کہ جہان کہین آگ لگے وہ فوراً بجھانے آئے، بلکہ آگ ہی نہ لگنے دے، مل کا بھائی کہتا ہے خدا ایسا ہونا چاہیئے جو بے بارش غلہ اگا دے، مل کا ایک دوسرا دوست کہتا ہے، خدا ایسا ہونا چاہیئے جو رات کو بھی آفتاب روشن کرے تاکہ ہمین لالٹین جلانا نہ پڑے، غور کیجئے، یہ تو اپنی مرضی کا خدا ہوا، خدا کی کوئی حقیقت اور اصلیت تو نہ رہی مرضی کی چیز تو بنی بنائی مشکل سے ملتی ہے، بنوانا پڑتی ہے، تو خدا وہ تسلیم ہوگا جو تراشیدۂ خویش ہو!

سوال یہ ہے کہ جو تمھاری مرضی کے موافق کام کرے وہ خدا ہوگا یا تمھارا ملازم؟ خدا کی شان سے تو یہ بات بعید ہے ہی، کیا کوئی آقا گوارا کر سکتا ہے کہ خادم اسے حکم دے اور وہ اسکے موافق کرتا رہے، افسوس ہے کہ مسٹر مل اور کانگٹ دونون اس وقت موجود نہ تھے جب زمین و آسمان بن رہے تھے ورنہ ان سے مشورہ لیا جاتا، ہان تو بات یہ ہے کہ دہریے، اور ملاحدہ اکثر اوقات عجیب سوالات کرتے ہین، جو ایک طرف اُن کی ناواقفیت کا پردہ فاش کرتے ہین دوسری طرف ان کے خود ساختہ عقائد پر گولہ باری کرتے ہین:-

یہ لوگ کہتے ہین، اچھا، خدا کو کس نے پیدا کیا؟ خدا کہان سے آیا؟

ذرا کوئی ان بزرگون سے پوچھے، بھائی! مادہ کو کس نے پیدا کیا، مادہ کہان سے آیا؟

یہ لوگ کہتے ہین، خدا پر اس لئے ایمان نہین لاتے کہ سمجھ مین نہین آتا سمجھ سے باہر ہے، خدا بذریعہ

حواس محسوس نہین، کوئی ان سے پوچھے، بھائی ایجلی کا کرشمہ، اسکی حرکت، اور مادہ کی حرکت، ایثر کا وجود آپ کی سمجھ مین آگیا، الکٹرسٹی کی تشریح کر سکتے ہو؟ مادہ بذریعہ حواس محسوس ہے؟

کانگٹ نے کہا ہم تجربہ و مشاہدہ پر علم کی بنیاد رکھتے ہین، تجربہ بتاتا ہے،

(۱) کوئی چیز خود بخود نہین بنیگی،

(ب) حرکت بغیر متحرک نہین ہو سکتی،

(ج) نیستی سے ہستی نہین ہو سکتی، :- لیکن تم کہتے ہو

کہ (۱) انسان خود بخود بنگیا،

(ب) مادہ ازلی متحرک ہے،

(ج) عدم شعور (مادہ) سے شعور برپا ہوگیا، بیجان سے جاندار بن گیا،

کانگٹ اور اس کے خوشہ چینون سے کوئی پوچھے، مادہ مین پہلے پہل حرکت کیسے پیدا ہوئی؟ اور پھر دنیا مین نباتاتی، حیوانی، اور انسانی زندگی کیونکر برپا ہوئی،

(Yelri) فیرائی[۱] اور (Hettinger[۲]) نے اپنی تصانیف مین، ورچو (Vinchow) کا قول نقل کیا ہے، جو کہتا ہے، "ظہور حیات کے مسئلہ کا، مادہ کی بنا پر حل کرنے کا خیال ایسا ہی لغو ہے، جیسا یہ کہنا کہ توپ کا گولہ خود بخود دہانے سے فضا مین زور کے ساتھ نکل جاتا ہے یا اجرام فلکی خود بخود فضائے عالم مین چکر لگاتے ہین، اور گولہ کا نکلنا اور اجرام فلکی کا چکر لگانا یہ انکی ترکیب کی بنا پر ہے"

کارنیلیس[۳] (Cornelius) کہتا ہے "یہ سمجھنا عقل کے ذریعہ ناممکن ہے کہ کیونکر،

۱؎ (Yelri) اطالی فاضل الٰہیات اور سائنس دان، ۲؎ (Hettinger) جرمن فاضل علم ہیئت و سائنس کا بڑا ماہر، ۳؎ (Cornelius) ایک جرمن فلاسفر اور انشا پرداز،

ایک سالم خلا (Vacant Space) مین دوسرے سالم پر عمل (Operation) کرتا ہے" اس قدر اعتراض کے بعد نفس مضمون پر آتا ہون

خدا کی ہستی کا یقین انسان کی طبیعت مین مرکوز ہے، کل مولود یولد علی الفطرۃ مین اسی کی طرف اشارہ ہے فطرۃ التی فطر الناس علیہا، کا بھی یہی منشاء ہے، مگر اس یقین کی بنیاد، ان دلائل پر نہین، جنکے آگے عقل سر جھکاتی ہے، بلکہ یہ یقین (Inwardness ATION) تحریکات باطنی اور ترغیبات اندرونی کا نتیجہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر لوتھرڈ[۱] (Luthardt) کہتا ہے:-

(Belief in God is not a science But a virtue) "یعنی خدا پر یقین، سائنس نہین بلکہ نیکی ہے" یعنی اس اعتقاد کی اصلی بنیاد ہمارے "انٹوئشن" کی گواہی ہے، اس جگہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "انٹوئشن" کی گواہی (وجدان کی شہادت) پر روشنی ڈالی جائے:-

واضح ہو کہ انٹوئشن کے لغوی معنی "دیکھنا" ہین، لیکن اصطلاح مین اس لفظ سے ہماری مراد ہماری نیچر کی وہ خداداد روشنی ہے جس کے بغیر ہم کسی شے کی حقیقت کو نہین پہچان سکتے، بلکہ بعض باتون کے ثبوت کے لیے دلائل خارجی کی بھی ضرورت نہین ہوتی کیونکہ یہ خداداد روشنی (INTUITION) خود بخود ان سے واقف ہو جاتی ہے، خدا نے ہماری فطرۃ (Nature) مین ایک ایسی قوت رکھدی ہے جسکی بنا پر ہم بغیر دلائل خارجی کی مدد کے اشیاء سے واقف ہو جاتے ہین، پس جب ہم یہ کہتے ہین کہ خدا کی ہستی کے بارہ مین، خود ہماری فطرۃ (Nature) مین یقین و جدانی یا انٹوئشنل گواہی موجود ہے تو اس سے ہمارا یہ مطلب ہوتا ہے کہ ہماری نیچر مین خدا کی ہستی کے متعلق ایسا ذاتی علم پایا جاتا ہے جو کسبی نہین یعنی حقائق موجودات کے مشاہدہ اور تجربہ سے اکتساب نہین کیا گیا، بلکہ وہ معرفت وہبی ہے جو مرکوز فی الذات ہے، اگر ہم مشہودات نیچر کو بمنزلہ نور فرض کرین

۱؎ (Luthardt) جرمنی کا مشہور فاضل الٰہیات،

تو انٹوئشن بمنزلۂ آنکھ ہوگا، انسان خدا کی صورت پر بنا ہے، اسی لیے تخلقوا باخلاق اللہ کا حکم دیا گیا، اسی لیے خدا کی معرفت کا چراغ کم و بیش اس کے خانۂ دل مین روشن ہے اور جب ہم اس چراغ کی روشنی مین نیچر کی صنعتون کا معائنہ کرتے ہین تو ہم ان مین اسی خدا کی حکمت کا جلوہ پاتے ہین جسکے وجود پر ہمارا وجدان (INTUITION) گواہی دیتا ہے،

دلائل عقلیہ خدا کی ہستی کے اعتقاد پر مقدم نہین، بلکہ خدا کی ہستی کا اعتقاد، دلائل عقلیہ پر مقدم ہے ہم اسلیے خدا پر ایمان نہین لائے کہ دلائل سے ثابت ہوا، بلکہ اسلیے کہ خود خدا نے بقول ڈیکارٹ اپنی ہستی کا یقین ہمارے دل مین مرکوز کر دیا ہے، اور ہم اس یقین کو بدلائل عقلیہ مبرہن اور موئید کرتے ہین، اور یہ یقین کبھی، کسی دلیل سے تقویت پاتا ہے، کبھی کسی دلیل سے، اور یہ دلایل اس تصور کو جو ہماری روح مین مرکوز ہے، جلا، دیتے ہین، دلائل کی مدد سے یہ تصور زور اور طاقت حاصل کرتا ہے،

ڈاکٹر نائیٹ[1] (Dr Knight) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف دی ایس پکٹس آف تھی ازم (The aspects of Theism) مین لکھتے ہین "گو خدا کی ہستی کے ثبوت مین جو شہادۃ پیش کیجاتی ہے اسکے سلسلہ مین، پہلی کڑی وجدان (INTUITION) ہے یعنی نردبان دلائل کا پہلا مرتبہ (Stage) ہمارا وجدان ذاتی ہے، مگر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہی سب سے اونچا مرتبہ (Higher stage) بھی ہے، کیونکہ جب ہم کسی اعتقاد کی پیروی کرتے کرتے اسے اسکی آخری کڑی تک لیجاتے ہین تو ہم پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس سے آگے اس کی تائید مین اور کچھ نہین کہہ سکتے، اس لیے کہ وہ اپنا شاہد آپ ہے اب اگر ہم وجدان طبعی کا انکار کرین اور اسکی گواہی کو رد کرین تو یہ سوال ہوگا کہ ہم عقلی دلائل کی شہادت کو کس بنا پر تسلیم کرین؟ غرض انٹوئشن ہر قسم کی شہادت کی بنیاد اور اصل ہے"

[1] ڈاکٹر نائیٹ (Dr. Knight) اسکاٹلینڈ کا مشہور فلسفی اسکی مشہور آفاق تصنیف The aspects of Theism ہے،

خدا کی ہستی کا یقین، (Reflection) غور و فکر پر مبنی نہین، بلکہ اس سے مقدم ہے عقل سے دل کی تسلی نہین ہوتی بلکہ دل سے عقل کی تسلی ہوتی ہے، جس طرح اخلاقی صداقتون (Moral Truth) کے معاملہ مین، دلائل سے ضمیر تسلی نہین پاتا، بلکہ خود ضمیر عقل کو تسلی بخشتا ہے،

چونکہ خدا کی ہستی کا یقین دل مین جاگزین ہے، اسلئے عقل بھی تسلیم کرتی ہے کہ خدا ہے، سائنس بھی اسی طرف رہنمائی کرتا ہے، فلسفہ کا فتوی بھی یہی ہے، ارسطو اور افلاطون عمر بھر یہی راگ الاپا کئے، کینٹ بھی اور دلائل کو کمزور اور ناقص ثابت کرتا ہے، مگر اس انٹوئشن کی گواہی سے انکار نہین کر سکتا (Vide, his moral Proof) اسپنسر[1] کو بھی ایک مطلق ذات کا اقرار ہی کرتے بن پڑی، ؎

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

پیسکل[2] (Pascal) کہتا ہے "خدا کو بھی پسند آیا کہ اس کی ہستی کا یقین عقل کے ذریعہ دل مین جاگزین نہ ہو بلکہ دل کے ذریعہ عقل مین جاگزین ہو، لہذا اس نے انسان کی طبیعت مین اپنی ذات کا تصور رکھدیا، اور پھر عقل نے اسپر گواہی دی، دلائل قائم کئے، اور اس خیال کو مضبوط کیا" لگش برگ کہتا ہے "اگر انٹوئشن کی گواہی موجود نہ ہوتی تو مجرد عقل شاید ہی خدا کی ہستی کا اثبات کر سکتی" اوسٹرزی[3] کہتا ہے "اگر خدا نہ چاہتا کہ انسان اسے جانے تو بھلا انسان کس طرح اسے جان سکتا تھا، کیونکہ محدود مین غیر محدود کا تصور، محدود ذات کی بنا پر پیدا ہی نہین ہو سکتا" انسلم کہتا ہے "اے خدا! مین تجھ پر یقین کرتا ہون تاکہ

[1] (H. Spencer) انگلستان کا مشہور فلسفی، [2] (Pascal) فرانس کا زبردست فلسفی، اور ریاضی دان، [3] (Oosterzee) ہالینڈ کا زبردست متکلم اور فاضل الہیات، اسکی مشہور تصنیف (Christian dogmatic) ہے،

اس یقین کی روشنی مین، بدلائل عقلیہ تیری ہستی کا اثبات کرون، اور تجھے سمجھون،

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پہلے دل مین اسکی ہستی کا یقین ہوتا ہے پھر عقل اس کی جستجو کرتی ہے اس کا پتہ لگا تی ہے، نشانات ڈھونڈتی ہے، فطرۃ مین، تاریخ مین، اور خود نفس ناطقہ مین خدا کی ہستی کا پتہ لگانا عقل کا افضل ترین فرض منصبی ہے اور یہ کام اس کے لیے باعث فخر ومباہات ہے کہ وہ بدلائل نیرہ، اس یقین کو حاصل کرلے، جو یقین، دلکو، بذریعہ وجدان سلیم، حاصل ہو،

(۱) کائنات کا ذرہ ذرہ، خدا کی ہستی پر شاہد ہے، یہ دنیا موجود ہے، لہذا اس کا بنانیوالا بھی ضرور ہونا چاہیے، ورنہ کیا یہ دنیا آپ سے آپ ہی بنگئی؟ کیا وہ اپنی خالق اور صانع خود ہے؟ اچھا تو اس کی (Creative force) قوۃ تخلیق کہان ہے؟ ہمین ہر قوت جو معلوم ہوئی ہے، محدود ہے، "کوئی غیر محدود قوت، ابھی تک نہین تلاش کیجا سکی، پس کوئی ایک قوت بھی" خالق" نہین ہو سکتی، صفت خلق سے متصف نہین ہو سکتی، تو کیا تمام قوتون کے مجموعہ سے دنیا بنی ہے؟ یہ بھی نہین ہو سکتا، کیونکہ محدود کا مجموعہ بھی محدود ہی رہے گا، غیر محدود نہین ہو سکتا، لاکھ" محدود" جمع کرو، نتیجہ محدود ہی ثابت ہوگا، ہر قوت، دوسری قوتون سے محدود ہے، تمام علل (Causes) جو ہم دنیا مین جاری دیکھتے ہین، علل ثانیہ (Second causes) ہین، کوئی ایک علت بھی، آخری، اور اصلی نہین، اور جس قدر علل ثانیہ جمع کرو، ان کا مجموعہ علۃ اولی (First cause) نہین ہو سکتا پس ہم کو، علۃ اولی کی تلاش، محدود اشیار اور قوتون اور علل کے اوپر کرنا چاہیے، اگسٹاین (اقرارات ۱۰: ۶) کہتا ہے،" مین نے زمین سے کہا، کیا تو خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، ہوا سے پوچھا، کیا تو خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، آسمان سے پوچھا کیا تو میرا خدا ہے؟ اس نے جواب دیا نہین، سب نے یکزبان ہو کر کہا ہم تو مخلوق ہین، ہمارا خالق اور ہے"

حرکت کا تقاضا ہے کہ، ایک محرک ضرور ہے، معلول کا وجود، علۃ کے وجود پر دال ہے، ممکنات واجب کو مستلزم ہین، دنیا مین حیات مرتب (organic) کی ابتدا ہوئی ہے اور اس لیے اس حیات کا مبدا ضرور کوئی نہ کوئی ہے، دنیا مین ایک دوئی موجود ہے یعنی مادہ اور روح جو ایک دوسرے سے مغائر ہین، ایک دوسرے کے ضد ہین اور ایک دوسرے کو محدود کرتا ہے، اور اس لیے نہ روح نے مادہ کو پیدا کیا، اور نہ مادہ سے روح پیدا ہو سکتی ہے، مادی طبیعت روح شخص کو پیدا نہین کر سکتی، اور نہ انسانی روح سے مادہ پیدا ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئے ہین، مادہ سے مادی چیز پیدا ہو سکتی ہے، اور روح سے روحانی چیز نکل سکتی ہے، مگر روح سے مادہ اور مادہ سے روح نہین نکل سکتی، یہ خیال کہ مادہ سے صاحب شعور انسان بنگیا، ایک صریحی حماقت ہے جس سے زیادہ حماقت متصور نہین ہو سکتی،

(۲) دنیا مین نظام اور غایت کا پایا جانا بھی خدا کی ہستی پر روشن ترین دلیل ہے، ایسی روشنی کہ کینٹ کو بھی یہ کہتے بن پڑی کہ تمام دلائل مین یہ دلیل جو نظام عالم پر مبنی ہے، بہترین اور واضح ترین اور روشن ترین اور عقل کے نزدیک قابل قبول ہے،

سرو (De Natura Deorum) مین لکھتا ہے" اگر یہ خوبصورت دنیا، جس مین باوجود اس کثرت کے، وحدت پائی جاتی ہے اور باوجود اس تنوع کے اسقدر اتحاد اور یکرنگی پائی جاتی ہے، محض مادہ کے اجتماع اضطراری سے پیدا ہو گئی، بغیر کسی صاحب عقل وشعور کی دست اندازی اور مداخلت کے، تو پھر حروف تہجی کے اتفاقیہ اجتماع سے نظم کیون نہین بنجاتی، یا ذرات کے اجتماع سے عمارت کیون نہین کھڑی ہو جاتی؟"

دنیا مین انتظام، اور ترتیب موجود ہے، توازن وتوافق موجود ہے، نظم ونسق موجود ہے، ربط وضبط موجود ہے، قاعدہ اور قرینہ موجود ہے نقصہ مختصر دنیا ایک (COSMOS) شے

منتظم و مرتب ہے (CHOOS) یعنی گڑبڑ اور بدنظمی بے ترتیبی نہین ہے بحیثیت مجموعی دنیا مین یکرنگی اور ہم آہنگی (Harmony) پائی جاتی ہے، اس دنیا مین کمترین شے بہترین سے اور اصغر اکبر سے خورد و کلان سے عجیب رشتہ رکھتی ہے، اور دنیا کی کوئی منطق اس شہادت کو کمزور نہین کرسکتی جو اس انتظام اور ترتیب، مقصد اور غرض، سے حاصل ہوتی ہے، اچھا جناب اب سوال یہ ہے کہ یہ ہم آہنگی اور توافق، رابطہ اور قرینہ وغیرہ، کہان سے آیا؟ اگر کوئی کہے کہ اتفاقیہ طور پر ایسا ہوگیا تو گویا وہ ایک واقعہ کی تشریح ایک لفظ مہمل اور بے معنی سے کرنا چاہتا ہے؛ اتفاق (Chance) سے تو عموماً مضحکہ خیز امور ظہور پذیر ہوا کرتے ہین عجیب و غریب اور لایعنی تشکیلین صفحہ کائنات پر بن سکتی ہین، لیکن امور اتفاقی مین عقل کا شائبہ ہرگز نہین پایا جاتا، فرض کیجیے آپ بمبئی سے عدن جا رہے ہین، راستہ مین آپ نے لائٹ ہاؤس دیکھا تو کیا آپ یہ خیال نہین کرینگے کہ یہ منارہ یہان کیون ہے؟ بعد تحقیق یہ معلوم ہوگا کہ یہان زیر آب ایک چٹان ہے جو جہاز کے لیے خطرناک ہے آپ فوراً کہین گے ٹھیک! یہ منارہ اس مقصد کے لیے بنایا گیا کہ جہاز اس مقام سے دور دور گزرے، پس دو باتین معلوم ہوئین اولاً اس کا کسی غرض کے ماتحت پایا جانا، ثانیاً ایک عقلمند اور دور اندیش، صاحب شعور کاریگر یا انجینیر کا وجود جس نے اسے وہان بنایا، کیا آپ یہ معلوم کرنے کے بعد کہ اس منارہ کی وہان بیشک ضرورت تھی یہ کہہ سکتے ہین کہ یہ منارہ وہان حسن اتفاق سے کھڑا ہوگیا، اور خود بخود بن گیا؟ کیا اس کا وہان پایا جانا، آپ کے ذہن کو ایک سمجھدار شخص کی طرف منتقل نہین کرتا؟ جس نے ایک خاص مقصد کے تحت اس منارہ کو وہان قائم کیا تاکہ جہاز کو، چٹان سے صدمہ نہ پہنچے، آپ ایک درندہ کو دیکھتے ہین جسکی غذا، شکار ہے، غور کے بعد معلوم ہوگا کہ اس کے دانت اور پنجے، اس کام کے لیے موزون اور ضروری ہین، کیا وہ اتفاق سے بن گئے؟ اگر اتفاق ہی علۃ ہے تو گائے کے دانت اور کھر کیون نہ بنگئے؟ آپ کہین گے، اس کی ضرورت کے مطابق اس کی زندگی کے موافق ہین، مطابقت اور

موافقت دونون باتین اتفاق کا نتیجہ نہین ہوسکتا، یہ مطابقت اور موافقت ہی تو آپ کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے، کہ ان کا بنانے والا ایک ہوشیار سمجھدار شخص ہے جس نے انکی ضرورت کو ذہن مین مدنظر رکھتے ہوئے، ان کی ضرورت کے موافق اور انکی احتیاج کے مطابق سامان عطا کیا ہے، تاکہ نوعی زندگی قرار پاسکے، آپ کہین گے، قانون فطرۃ کی بنا پر ایسا ہوا ہے، بیشک قانون فطرۃ ہی اسکی علۃ ثانیہ ہے، مگر قانون مقنن (Law maker) کو مستلزم ہے، قاعدہ اور قانون خود بخود تو نہین بنا کرتا، کیا آپ تعزیرات ہند کے ساتھ مکالے[1] کی دماغی قابلیت کا خیال نہین کرتے؟ کیا تعزیرات ہند خود بخود، حروف تہجی کی الٹ پھیر سے بن گئی؟ کیا آپ خیال کرسکتے ہین کہ اگر نپولین[2] نہ ہوتا تو کوڈ نپولین پیدا جاسکتا تھا؟

پریس موجود ہے، کاغذ موجود ہے، حروف موجود ہین سیاہی موجود ہے، رولر موجود ہے، پلیٹ موجود ہے مشین موجود ہے کیا اگر کمپوز کرنے والے کا ہاتھ نہ ہوتا تو کوئی ایسی کتاب جسے آپ سمجھ سکتے، چھپ سکتی تھی؟

کیا آپ حروف تہجی ایک متحرک مشین کے سپرد کرکے اس سے اس امر کے متوقع ہوسکتے ہین کہ وہ دیوان حافظ چھاپ کر آپ کو دیدے؟ آخر دیوان حافظ مین فارسی حروف تہجی کی مختلف ترکیبون کے سوا اور تو کچھ نہین، آپ کہین گے مشین اگرچہ متحرک ہے مگر اسے حرکت مین لانے کے لیے ایک آدمی کی ضرورت ہے، جو اسے باقاعدہ حرکت دے، اور ایک کمپوزیٹر کی ضرورت ہے جو ان حروف کو باقاعدہ کمپوز کرے، تو یہی کلیہ آپ بے شعور مادہ مین کیون جاری نہ کرین؟ اگر بغیر ایک سمجھدار انسان کے مختلف طور پر حروف کے اجتماع سے کچھ کار آمد اور

[1] T. B. Maculay لارڈ مکالے، انگلستان کا مشہور مقنن اور مدبر،

[2] (Napoleon) فرانس کا مشہور ترین حکمران، یورپ کا عظیم الشان انسان،

معقول بات نہین بن سکتی تو پھر مادہ کی مختلف صفات اور اس کے اجتماع سے معقول بات کس طرح بن سکتی ہے؟ آپ ایک باغ مین جاتے ہین جہان آپ کو روشین بنی ملتی ہین اور مختلف پھولون کے تختے ملتے ہین، ایک تختہ مین گلاب ہے، دوسرے مین بیلا، تیسرے مین چنبیلی، ہر تختے کے کنارے آپ کو نالی ملتی ہے جس مین ہوکر پانی، تختون مین پہنچتا ہے، پھر آپ کو ایک کنوان ملتا ہے، جہان سے وہ نالی شروع ہوتی ہے، کیا آپ اس انتظام کو دیکھ کر یہ کہین گے کہ یہ سب کچھ خود بخود، یا اتفاق سے موجود ہوگیا ہے، آخر اتفاق سے بیلے کے تختے مین گلاب کا پودا کیون نہین اگا؟ اور نالی باغ کے اندر آنے کے بجائے صحرا مین کیون نہ چلی گئی؟ جب اس کام مین عقل کو دخل نہین (کیونکہ مادہ بے شعور ہے) تو ساری باتین عقل کے موافق کس طرح ہوگئین؟ ایک عقلمند آدمی کا یہ کام نہین کہ اس سوال کو ٹالدے یا اس پر غور نہ کرے، چنانچہ لائینیس[1] (Linnaeus) نے اس سوال پر غور کرکے، خدا کی ہستی کا اقرار کیا، جب اس نے علم نباتات کا مطالعہ کیا تو بے اختیار چلا اٹھا "یہ کام بے شعور مادہ کا نہین ہوسکتا" ضرور کوئی صاحب عقل ہستی موجود ہے" کیپلر[2] (Kepler) نے جب علم ہیئت کا مطالعہ کیا تو بے اختیار پکار اٹھا" یہ کام تو کسی صاحب شعور ہستی کا ہے" جب اس بات کے سمجھنے کے لیے عقل درکار ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اسکے بنانے کے لیے عقل درکار نہ ہو!

جس طرح یہ انتظام اور ترتیب محض اتفاق سے ظہور پذیر نہین ہوئی، اسی طرح "لاز آف نیچر" سے بھی یہ بات پیدا نہین ہوسکتی، فورس، یا قوت نیچر مین کام کرتی ہے اور اسکی بنا پر نتائج مرتب ہوتے مین لیکن فورس عقل نہین وہ بے شعور چیز ہے وہ انتظام اور رابطہ پیدا نہین کرسکتا،

[1] (Linnaeus) (1707-1778) (SWIDISH BOTANIST)

[2] (Kepler) 1571-1630 جرمن ہیئت دان، بہت مشہور انسان گذرا ہے،

قانون ایک قاعدہ ہے جس کے موافق کام ہوتا ہے مگر قانون، وہ عقل اور شعور نہین، جوان کامون کی غرض، معین کرتا ہے، اور اگر "فورس" یا قوت کو تم عقل مانتے ہو تو پھر اسے عقل بے وقوف و بے شعور ماننا پڑیگا اور یہ کچھ نہین مگر اجتماع ضدین ہے جو محال ہے،

غرض ایک صاحب عقل و شعور ہستی کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہین، جناب نکلے (Tickle) نے جب غور کیا تو بہترے ہاتھ پاؤن مارے مگر دنیا کو مادہ یا اجزائے دیمقراطیسی کا کھیل یا اتفاق کا نتیجہ نہ مان سکا، مجبوراً (Moral order) کو دنیا کا گورنر (Governor) یا حاکم مانا،

دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

یہی حال میان اسپنسر کا ہوا، اسے بھی بغیر (Unknowable absolute) ایک غیر معلوم مطلق طاقت کے مانے بغیر چارہ نہ ہوا، چنانچہ (Perly) پرلی[1] کہتا ہے (Author: Vortage p.39)

"بہتون نے غیر ذی شعور کلیات کو دنیا کا مبدائے اصلی مانا ہے لیکن یہ کلیات چونکہ صاحب شعور نہین لہذا ایک صاحب شعور ہستی کا ماننا ضروری ہے، جس نے یہ کلیات (Ideas) نافذ کئے، اور بہتون نے خالق کو نہین مانا انھون نے اگر دنیا سے خارج ایک خالق ہستی کو تسلیم نہین کیا، تو خود (Cosmos) یعنی کائنات مرتب کو صاحب عقل و شعور مانا، مگر کیا طرفہ تماشہ ہے ان کا خالق، زندہ بھی ہے، اور صاحب عقل بھی ہے مگر (Unconscious) غیر ذی شعور ہے، اسی طرح کوئی نکلے سے پوچھے کہ جب تم دنیا مین (Moral government) عقلی حکومت تسلیم کرتے ہو ایسی حکومت جو نیک و بد مین، امتیاز کر سکتی ہے (کیونکہ مارل گورنمنٹ کے یہی معنی ہونگے) تو پھر خدا کے اقرار سے اس قدر گریز کیسا؟ انتظام و توازن اگر غیر ذی شعور (Unconscious) ہے تو ناممکن ہے کہ نیکی کے قوانین (Moral laws) کے مطابق ہوسکے، غیر ذی شعور ہستی تو نیکی اور بدی مین امتیاز ذی

[1] (Perly) جرمن محقق اور ماہر علم کیمیا،

نہین کرسکتی سوتا ہوا آدمی، اچھے برے مین تمیز ہی نہین کرسکتا، سوتا ہوا تو بڑی بات ہے، بچہ ۴ یا ۵ سال کا، کھرے کھوٹے مین امتیاز نہین کرسکتا، "نارل گورنمنٹ" کے لیے تو نارل گورنر کی ایسی ہی ضرورت ہے جس طرح لکھنے کے لیے قلم کے علاوہ محرر یا کاتب کی، قلم خود کچھ نہین لکھ سکتا، نیکی کے قوانین، بغیر مقنن کے وجود ہی مین نہین آسکتے، جب نیک و بد مین امتیاز کرنے والا نہین تو پھر امتیاز کا خیال، جنون اور سودا ہے، عقلمند آدمی تو ایسا خیال کر نہین سکتا، "مین آپ سے پوچھتا ہون، کہ آپ اس شخص کا کیا نام تجویز کرین گے جو "العالم متغیر۔ و کل متغیر حادث" تو مانتا ہو مگر یہ نہ مانے کہ "العالم حادث" صغریٰ اور کبریٰ دونون تسلیم کرے مگر نتیجہ سے اتفاق رائے کیا، نتیجہ نکالنا ہی ضروری اور مفید نہ سمجھے، دنیا مین نیکی اور بدی کا قانون پایا جاتا ہے، (قانون کا پایا جانا، مقنن کی ہستی پر پر دال ہے) قانون بغیر مقنن کے ظہور مین نہین آسکتا (جب تک کوئی ہستی ایسی صاحب عقل و شعور نہ ہو جو نیک و بد مین امتیاز کرے امتیاز ناممکن ہے) ان دونون باتون سے ایک نتیجہ نکلتا ہے یعنی اگر قانون موجود ہے تو مقنن بھی موجود ہے، اور کس قدر ہٹ دھرمی اور ناانصافی ہوگی اگر دونون باتون کو تو ایک شخص تسلیم کرے، مگر تیسری بات جو ان کا لازمی نتیجہ ہے اسکو تسلیم کرنا کجا، سننا بھی پسند نہ کرے؟ اگر انبیا کا فرمان، خدا کا فرمان، ضمیر کی آواز، دل کی تحریکات، وجدان سلیم کا تقاضا، متواتر شہادت کا وزن، لوگون کا تجربہ اور مشاہدہ سب کچھ بیکار ہے اور معاملہ صرف عقل ہی پر آن ٹھہرا ہے تو آئیے پھر عقل ہی کے سامنے مقدمہ پیش کرین، اور عقل کا فیصلہ بہت سیدھا سادہ رہا ہے، امتیاز کے لیے ممیز لازمی ہے، ممیز کے لیے ذی شعور ہونا لازمی ہے، پس ایک ذی شعور ممیز موجود ہے، جسے نارل گورنمنٹ کہتا ہے، ہم اسے خدا کہتے ہین،

(۳) اس کے علاوہ (Law of causation) (قانون علیت) بھی خدا کی ہستی پر دال ہے:۔

ہم اس دنیا مین علت و معلول کا سلسلہ دیکھتے ہین، سلسلہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ ہر معلول (Effect) کی کوئی نہ کوئی علت (Cause) ضرور ہوتی ہے، عالم بحیثیت مجموعی ایک معلول ہے لہذا اسکی بھی کوئی نہ کوئی علت ضرور ہے،

ہم ایک طرف یہ دیکھتے ہین کہ ہم اور ہمارے ابنائے جنس اپنی قوت ارادی سے بہت سے نتائج پیدا کرتے ہین اور دوسری طرف یہ دیکھتے ہین کہ اس عالم مین بہت سے ایسے نتائج ہین جنکا سبب انسان کی قوت ارادی نہین ہے، پس لامحالہ یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ وہ نتائج کسی صاحب عقل و شعور ہستی کے ارادہ کے ماتحت مرتب ہوئے ہین، یہ بات کہ ان نتائج کی علت، صاحب عقل و شعور و ارادہ ہستی ہے خود ہماری عقل نے ہمین سجھائی ہے، کیونکہ ہماری عقل مادی علت سے مطمئن نہین ہوسکتی (Physical cause) بلکہ وہ ایسے سبب یا علت کی متلاشی ہے جو مادہ سے مجرد ہے اور ذی شعور ہے (Intelligent cause) مادہ کو فرسٹ کاز (سبب اولی) اس لیے نہین مانتے کہ مادہ مین "ارادہ" اور "مرضی" نہین پائی جاتی، مادی شے کو سبب اول نہ ماننا ہماری عقل کا لازمی اور ضروری بلکہ طبعی تقاضا ہے، چنانچہ مسٹر میٹلینڈ[1] اپنی تصنیف "خدا پرستی یا لاادریت" مین ایک دلچسپ مثال سے اس تقاضا کا اثبات کرتے ہین، ایک شخص بندوق کی گولی سے مارا جاتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے:۔ کس نے اس شخص کو مارا؟ جواب مین کہا جاتا ہے گولی لگنے سے مرگیا، گولی نے مارا، اب کیا گولی کو پھانسی دیدیجائے، یا بندوق کے گھوڑے کو؟ اس مین شک نہین کہ گولی موت کا سبب ہوئی مگر کون سا سبب؟ محض سبب طبعی (Physic cause) پس سزا کے لیے گولی یا بندوق کو نہین پکڑتے بلکہ اس کو جس کی غرض نے بندوق کے گھوڑے کو حرکت دی، یعنی ایک فاعل بالارادہ اور مختار انسان کو، اور اسی کو پھانسی دیجاتی ہے، ذمہ داری، جو انسانی ذات کا خاصہ ہے، "ارادہ" کو کسی نتیجہ کا اصلی سبب ٹھہراتی ہے، جو لوگ

[1] (Maitland) امریکن فاضل الٰہیات، اسکی مشہور تصنیف Thei versus agno theism

علۃ و معلول کے اصول کی بنا پر اثبات واجب کرتے ہین ان کا مقصد یہ نہین کہ ہر موجود معلول ہے بلکہ ان کا دعویٰ جو نہایت مضبوط اور مستحکم ہے وہ یہ ہے کہ "ہر متغیر حادث" ہے اور "ہر حادث، محدث کا محتاج" ہے، یا "عالم معلول" ہے اور "ہر معلول، علۃ کا محتاج" ہے، اور یہ بات ایسی بدیہی ہے کہ اسکا انکار کرنا، گویا عقل کے گلے پر چھری چلانا ہے، ہیوم[1] نے اس دلیل سے تعرض کیا ہے مگر اس بات کا انکار نہین کیا کہ اس معنی مین ہر معلول کے لیے علۃ ضروری ہے، ڈاکٹر فلنٹ لکھتے ہین یہ معلوم کرنا کوئی مشکل بات نہین کہ یہ دنیا معلول ہے، حادث ہے، محتاج ہے، کیونکہ اشیائے خارجی محسوس ہین، اور جتنی چیزین یا جو چیزین حواس خمسہ کی بنا پر محسوس ہوتی ہین سب حادث ہین، کوئی آلہ یا کلیہ ایسا نہین طیار ہو سکا جس نے یہ ثابت کیا ہو کہ جن اشیاء کا علم ہمین بذریعہ حواس خمسہ ہوتا ہے وہ معلول نہین ہین، سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ دنیا، ازلی نہین ہے حادث ہے،

اب جان اسٹوارٹ مل نے جسے لاادریت کے علاوہ الحاد (Atheism) بھی مرغوب خاطر تھا، فرمایا ہے "نیچر مین دو عناصر پائے جاتے ہین (Elements) ایک متغیر ہے دوسرا غیر متغیر، تغیرات دوسرے عنصر سے وابستہ ہین، اور غیر متغیر عنصر کسی سبب کا نتیجہ نہین ہے، کسی شے کا وہ عنصر جو تبدیل ہوتا رہتا ہے، اسکی ظاہری شکل اور وہ خاصیت ہے جو مختلف اجزاء کی کیمیاوی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے، اور تجربہ مین کوئی ایسی شہادت نہین آئی جسکی بنا پر ہم وہ خواص جو متغیر عنصر سے وابستہ ہین، غیر متغیر عنصر سے ملحق کر دین، اس کا جواب سنیے، (۱) مل نے جسے غیر متغیر عنصر کہا ہے، مل نے اُسے معلوم کیا ہو تو کیا ہو، اور کسی انسان نے اب تک اس کا تجربہ نہین کیا، یعنی ہمین اس کا کوئی تجربہ نہین، ہمارا علم بذریعہ آلات صرف عناصر مفردہ تک پہنچا ہے، اور ممکن ہے کہ جنھین ہم بسائط (Elements) خیال کرتے ہین وخود تبدیل شدہ صور ہون، لیکن

[1] (Hume) زبردست مورخ اور فلسفی لاادریہ تھا،

اگر انھین مفرد ہی مانا جاوے تو بھی یہ دعویٰ نہین ہو سکتا کہ انکی موجودہ صورت، آخری صورت ہے جس مین تبدیلی کو راہ نہ ہوگی اب مانا کہ آکسیجن مین صرف آکسیجن کے ذرات، یا اجزا پائے جاتے ہین، تاہم کسی انسان نے اُن کے اس حصہ کو جو غیر متغیر ہے، محسوس نہین کیا، اب مل کے ہمنوا اس بات پر غور کرین کہ

اگر نیچر سے باہر ایک خارجی سبب کا ماننا تجربہ کے دایرہ سے باہر ہے تو نیچر مین ایک غیر متغیر عنصر کا ماننا بھی کچھ کم خلاف عقل و تجربہ نہین ہے،

(۲) اور اگر ہم مل کی خاطر سے یہ مان بھی لین کہ مادہ مین ایک غیر متغیر عنصر پایا جاتا ہے، تو بھی وہ عنصر، موجودات کی شرح نہین کر سکتا، اسلیے کہ موجودات مین عقل و حکمت کے آثار پائے جاتے ہین، اور مادہ بحیثیت مجموعی بے وقوف ہے، اب اگر کوئی یہ کہے کہ تمھارے اعتراض سے یہ معلوم ہوا کہ خدا کے ساتھ مادہ بھی ازلی ہے،

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایک ازلی صاحب عقل و شعور، اور فاعل مختار، قادر مطلق ہستی تسلیم کر لیجاوے تو پھر یہ ماننا کچھ مشکل نہین ہے کہ نہ صرف اس نے اشیاء کو مختلف صورتین عطا کین، بلکہ خود ان کے ہیولیٰ کو بھی پیدا کیا، جو شخص لاکھون ذرات کو ازلی ہستیان، مستقل بالذات مانتا ہے، وہ ایک واجب الوجود قادر مطلق کو قبول کرنے کی بہ نسبت کہین زیادہ، مشکل مین گھرا ہوا ہے، اگر خدا خالق نہین تو پھر وہ قادر مطلق بھی نہین،

(۳) مادہ کی نسبت جس قدر خیالات حکماء نے پیش کئے ہین ان مین سے کوئی ایسا نہین جو اس کی ازلیت کو ثابت کر دے، بلکہ سائنس کے جدید نتائج ثابت کرتے ہین کہ ہر ذرہ مصنوع اور مخلوق ہے، مثلاً سر جان[1] ہرشل لکھتا ہے، "جب سے نیچر کا بازار گرم ہوا ہے، اس وقت سے

[1] سر جان ہرشل (Sir J. W. Herschel) انگریز عالم ہیئت و نجوم کا ماہر (1792-1871)

ے کر آج تک اس کے کسی عمل نے مادہ مین کسی طرح کا فرق پیدا نہین کیا، پس ہم نہ ان ذرات کے وجود کو کسی نیچرل سبب سے منسوب کر سکتے ہین اور نہ اُن خواص کو جو یکسان ہین، بلکہ ذرات کی یکسانیت ثابت کرتی ہے کہ اُسے کسی صانع کی حکمۃ نے ایسا بنایا ہے جیسا کہ وہ ہے"

(۴) ضمیر (Conscience) کی گواہی،

دنیا مین نہ صرف ترتیب اور تجویز کے آثار پائے جاتے ہین، بلکہ ایسی طاقتین بھی کام کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہین، جو (Moral forces) اخلاقی طاقتین (یا نیکی بدی کا قانون) کہلاتی ہین، اس دنیا مین اخلاقی قوانین، اخلاقی جذبات، اخلاقی خیالات اور اعمال پائے جاتے ہین اور ان مین وہ ترتیب دکھائی دیتی ہے جو نیکی اور بھلائی پر دلالت کرتی ہے، زمانۂ حال کے فلاسفہ نے اس دلیل کو جو ہماری مارل نیچر (Moral nature) پر مبنی ہے بہت مؤثر اور کارآمد اور تسلی بخش مانا ہے، دنیا کا مشہور فلاسفر ایمونیل کینٹ کی رائے مین یہ دلیل خدا کی ہستی پر روشن ترین دلیل ہے، اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ کوئی ملحد اُسکی تردید واقعی نہین کر سکتا، خدا تعالیٰ، ہمارے حسِ اخلاقی (Moral sense) کا اصول موضوعہ (Postulate) ہے ہمارے ضمیر کا تقاضا یہ ہے کہ ایک پاک اور اخلاقی صفات سے متصف ہستی موجود ہے، جس نے نیکی اور بدی کا قانون دنیا مین نافذ فرمایا ہے،

اسی طرح سر ولیم ہملٹن[1] لکھتا ہے، "خدا کی ہستی اور انسان کے غیر فانی ہونے کے متعلق فقط وہی دلائل سچے اور لاجواب ہین، جو انسان کی مارل نیچر پر مبنی ہین" جو احساس اخلاقی طبیعت کے متعلق ہماری سرشت مین پایا جاتا ہے وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نہ صرف اس دنیا مین اخلاقی قوانین پائے جاتے ہین بلکہ ان کا واضع بھی موجود ہے،

[1] سر ولیم ہملٹن، اسکاٹلینڈ کا بڑا منطقی اور فلسفی،

نیکی اپنی ماہیت اور خاصیت مین بدی سے جدا ہے، دنیا مین کوئی زبان ایسی نہین جس مین واجب جائز، مناسب، اور لازم اپنے اندر سنجیدہ مفہوم نہ رکھتے ہون، کوئی سوسائٹی ایسی نہین جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ نیک و بد کا امتیاز محض واہمہ سے پیدا ہوا ہے یا لوگون کے رسم و رواج سے نکلا ہے کوئی مذہب ایسا نہین جس نے نیکی اور بدی کے فرق کو نظر انداز کر دیا ہو،

اس کے ساتھ ہی ضمیر انسانی بھی ایک حقیقت ہے جس کا انکار نہین ہو سکتا، جو نیکی اور بدی مین امتیاز کرتا ہے، کوئی شخص اپنے ضمیر کی رو سے ضمیر کی واقعیت کا انکار نہین کر سکتا، اگر ہم کہین کہ ضمیر کوئی شے نہین تو ہمارا ضمیر فوراً ہمین جھٹلاتا ہے، ہمارا دل کہتا ہے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہین، جب تک ہم اپنے آپ کو دھوکہ نہ دین ضمیر سے انکار نہین کر سکتے،

ہمارا ضمیر اخلاقی قانون پر گواہی دیتا ہے، جب وہ کسی فعل کو راست قرار دیتا ہے تو گویا یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ فعل اخلاقی قانون سے مطابقت رکھتا ہے، جو کچھ ہم کرتے ہین ضمیر اسکے متعلق منصف کا کام کرتا ہے، وہ فیصلہ کرتا ہے کہ فلان کام جائز ہے یا ناجائز، ضمیر انسان کا بنایا ہوا قانون نہین، اس کے معنی یہ ہونگے کہ انسانی مرضی، انسانی مرضی پر حکومت کرتی ہے، یعنی وہ خود ہی حاکم ہے اور خود ہی محکوم ہے، خود ہی آزاد ہے اور خود ہی غلام ہے، خود ہی غالب ہے خود ہی مغلوب ہے، ضمیر کا قانون غیر کی مرضی سے نسبت رکھتا ہے، جس مرضی کا ضمیر مظہر ہے وہ اکثر اوقات ہمارے ارادون کے خلاف حکم کرتی ہے، وہ ضمیر کے وسیلہ ہم سے خطاب کرتی ہے، ہم پر حکومت کرتی ہے، اگر وہ مرضی خدا کی مرضی نہین تو پھر کسکی مرضی ہو سکتی ہے؟

ہماری تمام طاقتین، جنکا تعلق ضمیر کے ساتھ ہے جو نیک و بد کی شناخت سے علاقہ رکھتی ہین، اور جن سے فرض کی پہچان پیدا ہوتی ہے، ہم پر یہ بات ظاہر کرتی ہین کہ ہم ایک طاقت کے روبرو جوابدہ ہین، اپنے افعال کے ذمہ دار ہین، ذمہ داری کا احساس جو ہم مین

پایا جاتا ہے وہ اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک زبردست اخلاقی طاقت موجود ہے، جس کے حضور ہم سب جوابدہ ہین، ارتکاب گناہ سے ندامت، اکتساب نیکی سے خوشی، بدی کے نتائج سے خوف، اعمال حسنہ کی جزا کی امید سے شادمانی یہ سب احساسات، جنکا انکار نہین ہو سکتا، ملکر ایک ایسے شخص کی طرف اشارہ کرتے ہین جس کے ساتھ بنی نوع آدم کا شدید تعلق ہے، جو احکم الحاکمین اور مالک یوم الدین ہے،

ارتکاب جرم سے جو ڈر اور خوف پیدا ہوتا ہے اس سے بچنے کی پناہ الحاد مین بھی نہین ملتی، بسا اوقات انسان، دوسرے انسان سے، اتنا نہین ڈرتا، جس قدر وہ اس غیر مرئی عادل سے ڈرتا ہے جسکی ہستی پر اس کا ضمیر گواہی دیتا ہے، اس کا کیا سبب ہے کہ بعض اعمال مین سوسائٹی کوئی مواخذہ نہین کرتی لیکن ان اعمال کے ارتکاب کے بعد ہمارے دلون کو چین نہین ملتا، ہم کیون ڈرتے اور بے چین ہوتے ہین؟ اگر خدا نہین ہے تو پھر نیکی اور بدی مین امتیاز کرنے کی کیا ضرورت ہے؛ جب مواخذہ ہی نہین تو مواخذہ کا خدشہ کیسا؟ ایک شخص نے چوری کی، چوری ضرور برا کام ہے لیکن سوسائٹی کے علم مین نہین، اب وہ کس سے ڈرتا ہے؟ جب کسی کو معلوم ہی نہین تو خوف کیسا؟ اس کا دل، اس فعل پر اُسے ملامت کیون کرتا ہے؟ جب مرنے کے بعد کوئی جوابدہی نہین تو فکر کیسی؛

اگر کوئی یہ کہے کہ سوسائٹی نے نیکی اور بدی کا قانون بنا دیا ہے اسی لیے انسان اس کے مطابق کرتا ہے، تو اس جواب سے وہ مشکل حل نہین ہوتی جو ہم نے پیش کی ہے، یعنی سوسائٹی چوبیس گھنٹہ کسی انسان کے پیچھے نہین لگ سکتی، اور جب وہ بند کمرے مین گناہ کرتا ہے تو وہان اُسے کوئی نہین دیکھتا، نہ افشائے راز کا خوف ہوتا ہے مگر انسان نادم ہوتا ہے، اور ڈرتا ہے؛ اس وقت یہ خیال نہین ہوتا کہ سوسائٹی مجھے مطعون کرے گی، اسی طرح آسائش زندگی حاصل

کرنے کے بجائے ایک شخص سوسائٹی کی پروا نہین کرتا اس کے فتاوی سے نہین ڈرتا، اور اپنے کو خطرہ مین ڈالنا پسند کرتا ہے محض اس بات کی خاطر جسے وہ اپنا فرض سمجھتا ہے، بخوشی اپنی گردن جلاد کے حوالہ کر دیتا ہے، جس طرح گناہ کے معاملہ مین وہ سوسائٹی سے ڈرتا ہے اسی طرح اس معاملہ مین اسے سوسائٹی سے ڈرنا چاہیے تھا، لیکن اب وہ سوسائٹی کی پرواہ نہین کرتا آخر کیون وہ اپنی جان شیرین سے ہاتھ دھوتا ہے، سوائے اس کے کہ وہ سوسائٹی کے علاوہ ایک زبردست اخلاقی قانون کی پابندی پسند کرتا ہے اور اس سے انحراف کرنا ناجائز سمجھتا ہے؛ یہ جذبہ اس مین کہان سے پیدا ہوا؟ کوئی سوشل قانون تو ہمین نقصان اٹھانے کے لیے مجبور نہین کر رہا، پھر کیون ہم جان دینا پسند کرتے ہین؟

ڈاکٹر فلنٹ[1] کہتا ہے، کوئی شخص یہ ثابت نہین کر سکا کہ ضمیر انسانی محض خیالون اور رسمون کا نتیجہ ہے، مل، بین، اسپنسر اور ڈارون[2] ان مین سے کوئی یہ نہ دکھا سکا کہ ضمیر لوگون کے بنائے ہوئے قانون کا نام ہے اول تو لوگون کے بنائے ہوئے قوانین ہر ملک و قوم مین جدا جدا ہین لیکن نیکی اور بدی کا قانون سب جگہ یکسان ہے، یہ یکرنگی کہان سے آگئی؟ تمام دنیا اس پر کیسے متفق ہوگئی کہ چوری، ڈاکہ، جھوٹ بولنا، زنا کرنا، سب بُری باتین ہین، اس کے علاوہ جب ہم سوسائٹی کے ہاتھون جرم کی سزا بھگت لیتے ہین پس چاہیے کہ جرم کی سزا بھگتنے کے بعد ہم خوش و خرم ہون اور ہم محسوس کرین کہ اب ہم بے داغ اور پاک ہین، لیکن ندامت کا اثر زائل نہین ہوتا، اکثر اوقات قبر تک ساتھ رہتا ہے، پھر بعض سوسائٹیان، زنا کے لیے کوئی سزا مقرر نہین کرتین انگریزی عملداری مین رات دن، زنا، ہوتا ہے، ہر شخص کو مجاز ہے کہ جس قدر

[1] د [illegible]) اسکاٹلینڈ کا فاضل متبحر اور عالم الہیات، اسکی دو کتابین [illegible] اور (ANTI THEIOUS) مشہور ہین، [2] (C. Dar[illegible]) ڈارون، مسئلہ ارتقا کا موجد اور سائنسدان جسکی مٹی حضرت اکبر الہ آبادی نے پلید کی ہے،

چاہے زنا کرے کوئی روک ٹوک نہین، اور سوسائٹی کے بہت سے افراد اس فعل کے مرتکب ہوتے ہین لیکن فعل زنا کا جرم قرار نہ دیا جانا، اُسے ہماری نظر مین مستحسن نہین بنا دیتا، زنا بہر حال گناہ اور بدی ہے، پھر ہم کس سے ڈرتے ہین؟ اور کیون اُسے جائز نہین سمجھتے؟ معلوم ہوا کہ سوسائٹی کے علاوہ ایک اور قوت بھی موجود ہے، اگر ضمیر کی قوۃ ہماری پیدا کردہ ہوتی تو ہم اسے خواہ حاصل کرتے خواہ نہ کرتے، اور جب چاہتے اُسے دل سے نکالدیتے، لیکن، ضمیر کی آواز کم وبیش ہر شخص کے دل مین موجود ہے اور اگرچہ ہم اُسے کتنا ہی ضعیف کیون نہ کردین، مگر اسے بیخ وبن سے نہین اکھاڑ سکتے، ضمیر ہماری مرضی کا ماتحت نہین، بلکہ ہم اس کے ماتحت ہین، ضمیر کوئی شے اختیاری نہین، کہ جب چاہا اختیار کیا جب چاہا ترک کردیا، ہم سب ضمیر کے محکوم ہین، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا مبداُ ہماری عقل نہین ہے، نہ ہماری ذہنی قوتون کا پیدا کردہ ہے، ضمیر تمام معاملات مین اخلاق کا بلند ترین معیار (CRITESIM) ہے اور یہ معیار، اس ذات نے ہمارے اندر کیا ہے جو کمال مطلق اور عدل مطلق اور خیر مطلق ہے، اسی کو خدا کہتے ہین، سسرو کہتا ہے "عقلائے جہان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ازل (قانون اخلاق) یعنی ضمیر کسی انسان یا کسی قوم نے وضع نہین کیا، بلکہ وہ ازلی خدا ازلی قانون ہے، جسکی پابندی تمام دنیا پر عاید کیگئی ہے، اس کا مبدأ اول خدا ہے" چنانچہ اسی بنا پر کینٹ خدا کی ہستی کا اثبات، کرتا ہے، وہ کہتا ہے "نیک انسان کے لئے لازمی ہے کہ خوش ہو لیکن اس دنیا مین اکثر اوقات نیکی کا اور خوشی کا ساتھ نہین ہوتا، لہذا ضرور ہے کہ ایک ایسی ہستی موجود ہو جو آیندہ زمانے مین، اخلاق کی پابندی پر جزائے خیر مرتب کرے، اور وہ ہستی خدا ہے جو اخلاق کا سرچشمہ ہے،"

ہم نے لمی دلایل پیش نہین کیے، کیونکہ اس پر علحدہ مضمون لکھنا چاہتے ہین، اگر انھین بھی شامل کرتے تو بہت طول ہوجاتا، اور تاریخی یعنی (THEOLOGICO. HISTORICAL) دلائل بھی پیش نہین کئے اس لیے کہ وہ جداگانہ نوعیت رکھتے ہین، ایک شخص جو ندا ہی کو نہین مانتا، اس

بات کو کب مانے گا گو وہ لوگون سے باتین بھی کرتا ہے، ہان جب دلائل عقلی اسے اس بات پر مجبور کرین کہ "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری مین" تب یہ نقلی دلائل بھی مفید ہوسکتے ہین، جس مین لوگون کے مشاہدات اور واردات، انبیا کے حالات، انکی زندگی اور تجربات وغیرہ بنی نوع آدم کا سالہا سال کا مذہبی تجربہ اور انکی مسلسل روحانی زندگی، وغیرہ شامل ہین،

ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ دہریہ کا یہ کہنا کہ خدا نہین ہے، حقایق نیرہ سے آنکھین بند کرنا ہین، اور ان کے اوراق کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ بفضلہ تعالیٰ ہم اس مین کامیاب ہوئے ہین، اس بات کو بخوبی دکھا دیا ہے کہ خدا کے مانے بغیر چارہ نہین" اب یہ اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے کہ جسے خدا مانو وہ عاقل ہو یا لایعقل،

اب ہم مسٹر میٹلینڈ کے قول کو پیش کرکے مضمون کو ختم کرتے ہین:-

"اگر دنیا مین الحاد کے پیرو زیادہ ہوتے یعنی تمام دنیا ملحد ہوتی اور خدا کی ہستی کا خیال ایک نئی تعلیم یا بدعت کے طور پر سامنے آتا، اور کفر والحاد کی عالمگیر حکومت کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرتا تو اس حالت مین یہ بات قرین انصاف ہوتی کہ بار ثبوت، معتقدان (ذات باری) خیال جدیدہ یا نوزائیدہ کے ذمہ ہوتا، لیکن معاملہ بنوع دیگر ہے، خدا کی ہستی کا اعتقاد، کوئی جدید تعلیم نہین ہے، جب سے دنیا قایم ہوئی ہے، اس وقت سے خدا پرستی موجود ہے، پس خدا کی ہستی کا اعتقاد، ہمیشہ سے انسان کے دل و دماغ پر مسلط چلا آرہا ہے، اب اگر کوئی اکا دکا منچلا آدمی کوئی نئی تھیوری پیش کرتا ہے یعنی خدا کا انکار کرتا ہے تو بار ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ وہ خدا کا نہ ہونا بدلائل عقلیہ ثابت کرے" اور جب وہ خدا کا انکار کریگا تو انکار کی لعنت بھی عجیب حقیقت ہے، خدا کی جگہ جو قابل پرستش ہے وہ، ایسے وجود یا خیال کو ماننے پر مجبور ہوگا جو لائق نفرت ہو مثلاً بیجان اور بے شعور مادہ، یا مطلق وجود یا نظام عالم یا خود کائنات اور یہ بیوقوفی منکر سے اسلیے سرزد ہوگی کہ اس نے عقل کو پس پشت ڈالدیا،"

ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمہ، انک انت الوھاب،

ایک خطبۂ علمیہ

ابو العلاء معرّی کے متعلق مستشرقین یورپ کی غلطیان،

(۲)

از جناب مولانا میمن عبد العزیز صاحب راجکوٹی، ادیب اورنٹیل کالج لاہور،

(۱۹) ابو احمد عبد السلام کی بابت فرماتے ہین کہ اس نے ابن السیرانی کے پکڑے تھے جس کو آپ نے چھوٹے سیرانی کے نام سے یاد کیا ہے،

یہ سراسر غلط ہے، اس لیے کہ ابو احمد سیرافی کے شاگرد تھے نہ کہ ابن السیرافی کے، جس طرح آئندہ حکایت بالتصریح دلالت کرتی ہے،

اصلاح المنطق کے ایک نسخہ سے منقول ہے کہ ابو العلاء المعری کہتے ہین کہ مجھ سے عبد السلام البصری نے کہا جو بغداد کے دار العلم کے لائبریرین اور میرے مخلص دوست تھے کہ مین ابو سعید سیرافی کی مجلس مین اس وقت حاضر تھا جبکہ قاری اونسے اصلاح المنطق لابن السکیت پڑھتے ہوئے اس بیت پر پہنچا

ومطویۃ الاقراب اما نہارہا ... فسبت واما لیلہا فذمیل

تو ابو سعید بولے اسکو مطویۃ بالکسر بنالو کہ یہ واؤ رُبّ ہے، مین نے کہا اتیا الشیخ! پہلا شعر تو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ بالرفع ہو اور وہ یہ ہے کہ

اتاک نبی اللہ الذی انزل الھدیٰ ... ونوش واسلوم علیک دلیل

ومطویۃ الخ تو انھون نے بالرفع بنوایا، اس موقع پر اون کے صاحبزادہ ابو محمد (ابن السیرافی) حاضر تھے وہ بگڑ گئے اور فوراً اٹھکر اپنی گھی کی دکان فروخت کرکے طلب علم کی طرف متوجہ ہوئے تا آنکہ وہ جلیل القدر فاضل بنگئے اور اصلاح المنطق کی شرح طیار کی، ابو العلاء کہتے ہین مجھے اس شخص نے کہا جس نے انھین یہ شرح لکھتے ہوئے دیکھا تھا کہ اس کی تصنیف کے وقت ان کے پیش نظر چار سو کتابین تھین، یہ اشعار تہذیب الاصلاح کے نسخہ مطبوعہ کے ص۱۵ پر واقع ہین، یون بھی عبد السلام اور ابن السیرافی قریباً ہم سن تھے،

(۲۰) کہتے ہین کہ ابو العلاء کو اس کے ماموں (ابو طاہر) نے شرح کتاب سیبویہ للسیرافی کے نقل کرانے کے لیے لکھا جبکہ ابو العلاء بغداد مین تھا الخ،

مارگولیوتھ صاحب کی یہ وہ فاش اور مہمل غلطی ہے جس نے رسائل کے دسوین اور سوانح کے بیسوین حصہ کا ستیاناس کر دیا ہے، اسی بنا پر وہ ابو بکر احمد (کذا و درست محمد ہے دیکھو رسائل ص۹۵) الصابونی کو ابو العلاء کے بغدادی احباب مین شمار کرتے ہین، اور پھر رسائل ص۱۰۰ ا کے تراجم مین بری طرح خبط کر دیا ہے، تعجب ہے کہ ہمارے مصری نابینا عالم ادیب ڈاکٹر طہٰ حسین نے بھی چشم بصیرت وا نہ کی اور اندھا دھند مارگولیوتھ کے پیچھے ہو لئے،

اس غلطی کا منشا بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ عنوان رسالہ نمبر۱۰ کے یہ الفاظ ہین،،، وکتب الی ابی طاہر المشرف بن سبیکۃ وھو ببغداد یذکر لہ امر شرح السیرافی وما جری فیہ من التعب،

ممکن ہے کہ یہ غلطی جامع رسائل کی ہو جس طرح خود مارگولیوتھ نے اوسکو غلطی سے ایک اور جگہ نسبت دی ہے لیکن جامع کی بہ نسبت خود مارگولیوتھ صاحب غلطی سے نسبت دیئے جانے کے کہین زیادہ اہل ہین

لے ابن خلکان ... [illegible] ایک گروہ کی ساتھ نبی ... تیلی چال چلتی ہے،

سے مجھے تم تک وہ خدا لایا ہے جسنے ہدایت اتاری ہے اور نور اور اسلام جسنے تم تک میری رہ نمائی کی ہے ص ۲۵، ص ۲۷، یہی ذکر ص ۲۷۷ میں

کہ صرف اس زعم پر کہ ابو العلاء کی رحلت بغداد ثابت ہو انھون نے بتقاضائے ظاہر مضامین محتویہ سے آنکھیں بند کر کے ہو کی ضمیر کا مرجع ابو العلاء کو گردانا ہے، نحاۃ نے کیا خوب کہا ہے کہ ضمائر مبہمات مین سے ہین میری رائے تو یہ ہے کہ بجائے معارف کے اونکو نکرات مین شمار کیا جائے تاکہ پھر قلیل البضاعۃ لوگ ایسی غلطیون سے محفوظ رہین،

مگر جائے حیرت ہے کہ مارگولیوتھ یہ بھول گئے ہون کہ یہ چار ون رسائل متعلقۂ شرح ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳، ایک ہی سلسلہ مین منسلک ہین اور عنوان رسالہ ۱۲ و ۱۳ مین یہ تصریح موجود ہے کہ خود ابو طاہر بغداد سے واپس آئے تھے، حالانکہ مارگولیوتھ تو ان کو حلب مین ٹھہلا کر ان کے ہاتھون ابو العلاء کی طرف یعنی بغداد کیطرف شرح کے لیے خط لکھوا رہے ہین، یہی نہین بلکہ مضامین کی طرف مطلقاً توجہ نہین کی رسالہ ۱۰ مین ہے کہ "آپ نے جو نسخہ کے تحصیل کی کیفیت لکھی ہے اوسکو مین سمجھ گیا، . . . .

آپ بڑے مہربان ہین اور مین ناحق بار خاطر بنتا ہون، آپ نے حسب معمول کرم کیا، اور مین ناحق لفید ہوا" اسی رسالہ مین ابو عمرو استرابادی کا تذکرہ ہے جنکی طرف اسی مطلب کے لیے . رقعہ ۱۱ لکھا گیا ہے اگر ابو العلاء خود بغداد مین ہوتا تو ابو عمرو کی طرف رقعہ کیون بھیجتا، پھر رسالہ ۱۰ کے اختتام پر ہے "مین آپ کی طرف وہ سلام بھیجتا ہون جس سے کاغذ معطر اور آپ کے خشک راستے سرسبز ہو جائین" مین مارگولیوتھ ہی کے جواب پر قانع ہون اس لیے وہی بتائین کہ خشک راستے مقیم کے ہوتے ہین یا مسافر کے، رسالہ ۱۲ مین جسکے عنوان مین ابو طاہر کے بغداد سے واپس آنے کا تصریحاً ذکر ہے ابو العلاء لکھتا ہے "براہ کرم مجھے یہ تو بتایئے کہ میری فرمائش پر آپ نے کتنی رقم صرف کی ہے تاکہ مین فوراً ارسال کردون کہ اگر مین خود بھی موجود ہوتا تو مجھے آپ کے برابر کبھی مطلب برآری مین کامیابی نہ ہوتی" العجب ثم العجب مین جادی و رجب کہ جب نفس رسالہ اور اوس کے عنوان ہر دو مین ابو طاہر کے بغداد سے واپس آنیکا ذکر ہے تو مارگولیوتھ صاحب ابو العلاء کو کیون بغداد بھیج رہے ہین؟ - ابو العلاء نے رحلت بغداد مین

اپنے ماموں کے جہاز پر سفر کیا تھا جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دریائے فرات مین ایک مخصوص جہاز اپنے تجارتی اغراض کی خاطر ہمیشہ محفوظ رکھتے تھے، جس کا بظاہر مارگولیوتھ نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ ابو العلاء کے لیے یہ جہاز عمداً مہیا کیا گیا تھا جسکا کوئی ثبوت نہین نیز عقلاً بھی یہ خیال بے معنی ہے کہ ایک شخص اپنے اس سفر کے لیے جس سے وہ واپسی کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو جس طرح مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے ایک مستقل جہاز بنوائے، ابو العلاء اپنے ماموں کی دائمی سیاحت کے متعلق کہتا ہے،

کان بنی سبیکۃ فوق طیر یجی بون الغوائر والنجادا

ابا لاسکندر الملک اقتدیتم فما تضعون فی بلد وسادا

یہ بات بھی سوچنے کی ہے کہ بیچارہ غریب ابو طاہر جو بجز تجارت کے اور کوئی مشغلہ نہ رکھتا تھا شرح سیرافی کو جو نحو کی انتہائی کتاب ہے کیا کرتا؟ ہان ابو العلاء کو بیشک اوسکی سخت ضرورت تھی کہ وہ ابھی ابھی تصنیف ہوئی تھی اور ہنوز شام مین اس کے نسخے عام طور پر نہین ملتے تھے، سو ناگزیر ہے کہ شرح کے لیے ابو العلاء نے اپنی رحلت بغداد سے بیشتر ابو طاہر کو لکھا ہو، ورنہ بغداد مین تو اس نے شرح کے بیسیون نسخے دیکھے ہونگے جس طرح وہ اس کے کثیر نسخون کے بغداد مین پائے جانے کا خود ہی ذکر کرتا ہے[1]، اور یون بھی بغداد سے واپس ہو کر ابو العلاء کو کتب نحو کا اتنا شوق نہ رہا تھا جس طرح لزوم مین خود ہی کہتا ہے (ملاحظہ ہو ہماری کتاب) اگر یہ کہا جائے کہ بغیر سابقہ ملاقات کے وہ ان اصحاب کو شرح کی تحصیل کی زحمت کیونکر دے سکتا تھا تو ہم یہ کہین گے کہ قبل از رحلت بغداد ابو العلاء کے اہل بغداد سے دوستانہ تعلقات موجود تھے (ملاحظہ ہو اس کا رقعہ[2] قاضی ابو الطیب کی طرف) یہ بات[3] مارگولیوتھ کو بھی تسلیم ہے کہ بغداد مین ابو طاہر کے بہت سے احباب تھے جنھین ہمیشہ وہ بذریعہ خطوط ابو العلاء کی خاطر و مدارات کی تاکید کرتا رہتا اور یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ ابو طاہر عموماً

[1] رسائل ص ۳۸ اذ کانت عند طلاب العلم بمدینۃ السلام کثیر العدی کالشیقط و رقعۂ[2] رسائل ۲، [3] ۳۱،

بغداد آیا جایا کرتا تھا،

(۲۱) کہتے ہین کہ ابو العلاء جب بغداد جاتے ہوئے دریائے فرات مین کشتی پر سوار ہوا تو اثناء راہ مین کشتی صحیح وسلامت پہنچ گئی جہان سے ایک اور نہر دریائے دجلہ سے جاملتی ہے اور بغداد پہنچاتی ہے مگر چونکہ یہ راستہ اس موسم مین ناقابل سفر تھا اس لیے کسی اور راہ (؟؟؟) سے قادسیہ پہنچی الخ،

مارگولیوتھ صاحب کی تحریر مین اس سے بڑھکر حیرت انگیز اور مضحکہ خیز غلطی شاید اور کوئی نہ ہو، بھلا قادسیہ سے جو بادیہ مین واقع ہے اور کوفہ سے ایک مرحلہ پر ہے کشتی سے کیا سروکار، کیا یہان بھی یورپ کے آلات جر ثقیل کی مدد سے کشتی کو خشکی پر چلادین گے، بہت اچھا مگر اس خشکی کے شہر پر ٹیکس وصول کرنے والے کہان سے آئے کہ وہ تو بندرگاہون پر متعین ہوتے ہین کیا انھین وائرلیس کے ذریعہ یہ اطلاع پہنچ گئی تھی کہ ابو العلاء کی کشتی قوت اعجاز کی مدد سے خشکی پر چلنے والی ہے،

یہ لفظ فارسیہ ہے بالفاء والراء جو نہر عیسے کے کنارے محوّل کے بعد بغداد سے دو فرسنگ کی مسافت پر ایک گاؤن ہے، تبریزی کی شرح السقط مسمی ایضاح السقط وضوئہ مین یہ لفظ اسی طرح بالفاء والراء ہے، یہان قادسیہ کا نام ایک گاؤن جو سامرا کے قریب نہر دجیل پر واقع ہے مراد نہین لیا جاسکتا کہ جب ابو العلاء کے لیے یہ ممکن ہے کہ بغداد کے ایک قریبی سٹیشن پر اتر سکے تو دور جانے سے کیا فائدہ؟

افسوس کہ ڈاکٹر طٰہٰ نے بھی مارگولیوتھ کی کورانہ پیروی کی ہے دیکھو ذکرے ص ۱۳۰،

اشتباہ کا باعث سقط کے یہ دو بیت ہین،

سامت قنا امت بنا الانبار سالمۃ | تزجی وتدفع فی موج ودفاع

والقادسیۃ ادتها اسے لنفا | طافا ابها فاناخی ها بجماع

تمام نسخ سقط اور طبعۃ تنویر مین بھی یہ قادسیہ ہی ہے اور یہ تصحیف وتحریف کوئی آجکی نہین بلکہ آج کوئی ساڑھے آٹھ سو سال پیشتر شیخ برہان الدین ابو المظفر ناصر الدین ابن ابی المکارم عبدالسید المطرزی بھی

(جو سقط کو اپنے والد سے اور وہ ابو المکارم الابہری سے جو ابو العلاء کے مشہور ترین شاگرد ہین روایت کرتے ہین) اسی تحریف مین مبتلا ہوگئے تھے، حتی کہ ایک فاضل نے اونھین ٹوکا کہ حضرت یہ الفارسیہ ہے نہ کہ القادسیہ مگر جب وہ بضد ہوئے تو وہ اونکو خوارزم کے ایک علامہ کے پاس لے گیا جس نے اس فاضل کے حق مین فیصلہ کیا، غلطی تو بارع سے بھی سرزد ہوئی تھی مگر انھون نے ابو العلاء کے جہاز کو کشتی پر چڑھانے کی جانکاہ زحمت نہ اٹھائی، یہ مہم مارگولیوتھ صاحب ہی نے سر کی،

(۲۲) یہ امر مسلم ہے کہ ابو العلاء کے ایک لائبریرین ابو منصور نامی سے دوستانہ تعلقات موجود تھے جسکا ثبوت رسالہ ۱۹ سے ملتا ہے جس مین علاوہ طول طویل دوستانہ اشتیاق کے اس امر کا بھی اظہار ہے کہ مین نے ایک لزومیہ قصیدہ بحر طویل مین بھیجا تھا نہ معلوم وہ پہنچا یا نہین ؟،

یاقوت اور ابن حجر دونون بزرگون نے ابو منصور محمد بن احمد بن طاہر بن حمد الخازن کا ترجمہ دیا ہے جو تنوخی صغیر کے تلمیذ تھے اور انکی ولادت ۴۱۸ھ مین اور وفات ۵۱۰ھ مین واقع ہوئی تھی، یاقوت نے غرس النعمۃ کی کتاب سے ایک دلچسپ حکایت نقل کی ہے کہ شاپور بن ازدشیر وزیر بہاء الدولۃ دیلمی کے کتب خانہ مین ابو منصور نامی ایک لائبریرین متعین تھے، شاپور کی وفات کے ایک عرصہ کے بعد کتبخانہ کی سرپرستی شریف مرتضی کے متعلق ہوئی انھون نے ابو منصور کے ساتھ ابو عبداللہ ابن حمد کو متعین کیا، ابو عبداللہ آفت کا پرکالہ تھا ہمیشہ ابو منصور کی تضحیک کی فکر مین رہا کرتا حتی کہ اس نے ابو منصور سے کہا کہ حضرت کتابین تو اب تباہ ہوگئین، وہ بولے کیون؟ کہا پستون کی خباثت سے لہذا آپ فوراً سید مرتضی کو اطلاع دین تاکہ وہ آپ کو پستون کے فنا کرنے کی دوا دین جو ان کے ہان ہمیشہ تیار رہتی ہے، یہ بھولے بھالے فرشتے لپکے ہوئے سید مرتضی کے ہان آدھمکے اور مودبانہ طور پر ماجرا عرض کیا، اس پر مرتضی نے کہا "ارے پستون سے! ارے پستون سے! خدا ابن حمد کو سنوارے اسے ہمیشہ شرارت وتمسخر ہی کی سوجھتی ہے آپ جائین اور آئندہ

کبھی ابن حمد کی نہ سنین"، یاقوت نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس مین ابن حمد کی کینت بجائے ابو منصور کے ابو عبداللہ بتائی گئی ہے، نیز اس پر کہ ابن حمد کی ولادت ۳۸۱ھ مین ہوئی ہے، اور مرتضیٰ کی وفات ۳۹۴ھ مین سو ابن حمد تیرہ چودہ سال کی عمر مین کیونکر اس عہدۂ جلیلہ پر متمکن ہو سکتا تھا،

اب ذرا مارگولیوتھ صاحب کے چار دعوے سنیے جو حیرت انگیزی مین اپنی آپ ہی نظیر مین

(ا) علاوہ رسالہ ۱۹ء کے سقط[1] کا طائیہ قصیدہ جس کا عنوان "بنام خازن دار العلم بغداد" ہے انھین کو مخاطب کرتا ہے اور (ب) رسالہ ۱۹ء[2] مین جس قصیدہ کے ارسال کا ذکر ہے اس سے یہی طائیہ مراد ہے (ج) ابو العلاء[3] کا ابو منصور وہی ہے جس کا یاقوت نے بنام محمد بن احمد الخ ترجمہ دیا ہے،

(د) یاقوت[4] کا تعدد کینت پر شک ظاہر کرنا سراسر وہم ہے،

یہ تھا دعاوی فارغہ کا مجموعہ، حیرت ہے کہ ان مین نہ عقل سے کام لیا گیا ہے اور نہ علم سے بھلا جب وہ ادبار مین اپنی آنکھون سے اس کا سنہ ولایت ۳۸۱ھ کو دیکھ رہے ہین اور پھر خود ہی مقدمہ مین لکھتے ہین کہ ابو العلاء بغداد مین اس ابو منصور سے ملا تھا بسنہ ۳۹۹ھ تو یہ کیسے ممکن ہوا کہ وہ اپنی ولادت سے ۱۹ سال پیشتر کم از کم جوان ہو کر ابو العلاء کا دوست بنا ان ھذا الا اختلاق سقط کا طائیہ رسالہ ۱۹ء کے مذکورہ لزومیہ سے کیونکر مراد ہو سکتا ہے؟ کہ طائیہ سقط مین ہے جس مین لزوم کے دو شعر بھی نہین ہین، رہا طائیہ کا مخاطب تو ابو منصور کے بجائے ابو احمد عبد السلام کا ہونا کہین زیادہ قرین قیاس ہے جنکا ابو العلاء کی تالیفات مین بارہا ذکر آیا ہے اور یاقوت کو وہم سے نسبت دینا محض خالی خولی دعوی کی بنا پر کیونکر روا ہو سکتا ہے، آئیے اب یہ ناچیز نو سو سال کے کثیف پردون کو چشم زدن مین الٹ دیتا ہے و للہ الحمد علی ذلک،

یہان تین تاریخی شخص ہین (۱) ابو العلاء کے دوست ابو منصور خازن دار الکتب القدیمۃ جنکا

[1] حاشیہ ترجمہ رسالہ ۱۹ء [2] حاشیہ نجم الادبا ۶ × ۳۵۸ [3] ایضاً [4] ۳۶۰ × ۶ ایضاً

نام بتصریح ابو العلاء محمد بن علی ہے اور جو صاحب اسمٰعیل کی مجلس مین آمد و رفت رکھتے تھے اور بڑے زبردست ادیب و لغوی تھے انھون نے لغت مین الشامل لکھی ہے جو ۴۱۶ھ مین ان سے پڑھی گئی تھی، اصل مین یہ رے کے باشندے تھے مگر اصفہان مین ایک عرصہ رہے تھے، غرس النعمہ کی حکایت مین ابو منصور سے یہی مراد ہے، (ب) ابو منصور ابن حمد جنکا ترجمہ یاقوت اور ابن حجر نے دیا ہے ان کو ابو العلاء سے ذاتی طور پر کوئی واسطہ نہین ہان ان کے نام کا محمد ہونا نیز ان کے نام کے ساتھ لفظ خازن کا استعمال ہونا یقیناً وہم کا باعث بنا ہے ہم جزماً کچھ نہین کہہ سکتے کہ یہ کس کتبخانہ کے خازن تھے یا سرے سے ان کو خازنی سے نسبت دینا ہی وہم ہے؟ (ج) ابو منصور ابن حمد کے برادر ابو غالب ابن حمد الخازن ان کا نام بھی بدقسمتی سے محمد ہی ہے،، لیزگ یونیورسٹی لائبریری مین شرح ابی دعبل الجمحی کا ایک نہایت قدیم نسخہ محفوظ ہے جس کے اول و آخر کے ورقون پر متعدد ائمہ کے خطوط سماع ثبت ہین، جنمین ان ابو غالب الخازن نے قاضی تنوخی صغیر سے دیوان مذکور پڑھتے ہوئے تمام شرکائے درس علماء کے اسامی دیئے جنمین ان کے برادر ابو منصور ابن حمد کا نام بھی بدون لفظ خازن مذکور ہے، کیا یہ ممکن نہین کہ ابو غالب خازن ہو جس طرح ان خطوط مین موجود ہے اور ابو منصور نہ ہو اور اس کو اپنے سابق کے ساتھ اتحاد اسمی کی بنا پر خواہ مخواہ غلطی سے خازن بنا دیا گیا ہو؟ بظاہر غرس النعمہ کا ابو عبداللہ ابن حمد یہی ابو غالب ہو جس طرح ابو غالب کے لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابو منصور ابن حمد کا برادر بزرگ ہے، سو ممکن ہے کہ اسکی دو کنیتین ہون بدین صورت یاقوت کا کم سنی کا اشکال بھی رفع ہو جائے گا کہ ہمنے ابو منصور صاحب ابی العلاء کے ساتھ دوسرا خازن اس کمسن کے برادر مہتر ابو غالب کو قرار دیا ہے، فتخلصت قائمۃ من قوب ولله الحمد، خطوط سماع کے فوٹو کے لیے ملاحظہ ہو جرنل آر اے ایس، ۱۷، ۱۰۱، ۵۰۷، ۱۹۱۰ء مین نے یہ مضمون ایک معقول اضافہ کے ساتھ اپنے مضمون مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین لاہور فروری ۱۹۲۵ء سے لیا ہے،

(۳۳) کہتے ہین کہ وہ بغداد کے ایک پرانے حصہ سویقہ ابن غالب مین ٹھہرا،

یہ بیان ناکافی اور موہم ہے حاشیہ مین وہم نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے، سویقہ ابن غالب کی تصحیح ہمنے پہلے کردی ہے یعنی کہ وہ سویقۃ غالب ہے، بیشک ابو العلاء بغداد پہنچتے ہی سویقہ غالب مین ٹھہرا تھا جس طرح حکایت ابو الطیب مین موجود ہے مگر پھر مستقل قیام کے لئے شاپور کے دار العلم متصل دار الکتب القدیمۃ مین منتقل ہو گیا تھا جو قطیعۃ الفقہا، واقعہ کرخ بغداد مین تھا،[ری] دلیل مہیار دیلمی کے یہ ابیات ہین،

نَزَلنَا فِی بَنِی سَاسَانَ دُوراً ‌ ‌ بِہَا تَسلِی بُیُوتُکَ فِی قُضَاعَہ

اِذَا مَا الضَّیمُ رَابَکَ فَاستَجِرِی ‌ ‌ ذُرَیٰ سَابُورَ وَانتَجِعِی بِقَاعَہ

اور خود ابو العلاء کے یہ ابیات (در بغداد)

وَغَنَّت لَنَا فِی دَارِ سَابُورَ قَینَۃٌ ‌ ‌ مِنَ الوُرقِ مِطرَابُ الاَصَائِلِ مِیہَالُ

قاضی تنوخی کو لکھتا ہے بعد از رجوع،

اَیَّامَ وَاصَلَنِی وُدًّا وَتَکرِمَۃً ‌ ‌ وَبِالقَطِیعَۃِ دَارٌ تَحفِضُ النَّہرا

بِمَحِلَّۃِ الفُقَہَاءِ لَا یَغشَی الفَتَی ‌ ‌ نَارِی وَلَا یَنضِی المَطِیَّ عَنَ انعَی

تعجب انگیز تو یہ ہے کہ مارگولیوتھ نے کرخ یعنی نئے بغداد سے نکالکر اس کو ایک پرانے حصہ ہی مین مقیم رکھا حالانکہ اوس نے کرخ کی یاد مین لزوم وسقط مین بہت سے ابیات کہے ہین، چنانچہ بغداد سے روانہ ہوتے ہوے وہ اہل کرخ کو ان الفاظ مین مخاطب کرتا ہے،

وما الفصحاء الصید والبید وداہا ‌ ‌ بافصح قولا من اِماءکم اللُکع

اس بحث کا تسلسل ہماری اصل کتاب مین ملاحظہ ہو،

عادات مشرق سے بیگانگی۔ بعض اغلاط اہل مشرق کے عادات سے نابلد ہونے کا نتیجہ ہین مثلاً

لہ م ۲۲، ۲ے وفیات ۱/۳۳۲،

(۴۴) کہتے ہین کہ ابو العلاء بار بار اپنے وطن کی جو دماغی اور جسمانی حالت بیان کرتا ہے وہ قابل افسوس ہے لیکن اسکی تصدیق اور کسی نے نہین کی، پھر فرماتے ہین کہ ہم معرہ کے لوگون کی بابت جو کچھ جانتے ہین وہ اس امر کا متقاضی ہے کہ ہم وہان کی دماغی حالت کا اندازہ ابو العلاء کے اپنے بیان سے زیادہ کرین،

گویا آپ ابو العلاء کے وطن کے متعلق خود ابو العلاء سے زیادہ واقف ہین اور وہ اپنے بیان مین کاذب ہے، سبحان اللہ! وہ بیچارا مشرقی ہے کسر نفسی اوسکی گھٹی مین پڑی ہوئی ہے یعنی کہ خود اپنے کو اور اپنے سے متعلق ہر شے کو اوسکی موجودہ حالت سے کمتر ظاہر کرتا ہے، ابو العلاء لزوم مین کہتا ہے؛

اَتَسأَلُونَ جَہُولاً ان یفید کُمُ ‌ ‌ وتحلبون سفیاض عہا یبس

کیا مارگولیوتھ صاحب ابو العلاء کو جاہل کہین گے یا دوسرے کے بیان کی مدد پر اسکی تکذیب کو اٹھ کھڑے ہونگے، نیز ابو العلاء کا مطمح نظر اتنا بلند تھا کہ معرہ اس کے لیے کافی جولانگاہ فراہم کرنیکے قابل نہ تھا اس لیے وہ ابتدائے شباب ہی سے بغداد کا خواب دیکھتا تھا،

کَلِفنَا بِالعِرَاقِ ونحن شَرخٌ ‌ ‌ فلم نُلمِم بہا الا کہولا،

(باقی)

لہ م ۱۲، ۲ے ہم آغاز شباب ہی سے بغداد کے مشتاق تھے مگر کہین ادھیڑپن مین جاکر وہان پہنچے،

تلخیص و تبصرہ

عربون کے تعلیمی نظریے

ڈاکٹر اے، ایس، ٹرٹین استاذ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے مندرجہ بالا عنوان سے ایک مضمون جرنل آف انڈین ہسٹری مین لکھا ہے، اس مین وہ تحریر فرماتے ہین؛

"ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے شروع مین ایک مقدمہ لکھا ہے، جو فلسفۂ تاریخ ہے، اس مین اس نے متعدد ابواب تعلیم کے لیے وقف کئے ہین، اگرچہ اس مین نظریون پر زیادہ بحث ہے تاہم اس وقت کے طریقۂ تعلیم کے متعلق بھی واقعات مل جاتے ہین، اس کے خیال کے مطابق وہ شخص تعلیم یافتہ ہے جو تمام علوم سے واقفیت رکھتا ہو اور اساتذۂ فن کی آرا بھی سمجھ سکتا ہو وہ ایک ہی فن کا استاذ نہ ہو اور نہ ایک ہی موضوع پر اتنا وقت خرچ کر دے کہ دوسرون سے ناواقف رہ جائے، تاہم یہ بات خود ابن خلدون ہی کے زمانہ مین مفقود ہو رہی تھی اور اکثر لوگون نے دوسرے علوم سے بے پروا ہو کر اپنے کو ایک ہی موضوع کے لیے وقف کر رکھا تھا، اس کا تعلیمی تخیل خالص ذہنی ہے، وہ علم کے حصول اور دماغ کی تربیت کا خواہان ہے، لیکن تعمیر اخلاق کی طرف اسکی توجہ نہین، تعلیم کی دو قسمین ہین بالواسطہ اور بلا واسطہ، دوسری قسم مین مکالمہ، مناظرہ، اور قوت مثال بھی شامل ہے اس لیے ایک شخص کو صرف ایک ہی استاذ کے سامنے زانوے شاگردی تہ نہ کرنا چاہئیے، اُسے ایک استاذ سے دوسرے کے پاس جانا چاہئے اور اس طرح اُسے اختلاف آرا کے متعلق وہ کچھ معلوم ہو جائیگا جو صرف تعلیم سے ہرگز حاصل نہ ہوتا،

علوم بھی دو قسم کے ہین، ایک وہ جو خود اپنا مقصد ہین، اور دوسرے وہ جو دوسرے علوم کے لیے واسطہ ہین، پہلی قسم مین مذہبی علوم، طبعی علوم اور الٰہیات ہے، دوسری مین عربی ریاضی اور اس قسم کے دوسرے علوم اور منطق ہین، ایک طالب علم کو اپنا زیادہ وقت دوسرے قسم کے علوم کے حصول مین جو کہ صرف واسطہ ہین صرف نہ کرنا چاہئیے، ورنہ وہ اپنے مقصد تک نہین پہنچ سکے گا، تعلیم تدریجی ہونی چاہئیے، ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم لڑکے کی سمجھ کے مطابق دینی چاہئیے، ابن خلدون کا خیال ہے کہ ہر فن کو تین مرتبہ پڑھنا چاہئیے، پہلی مرتبہ صرف اس فن کا خاکہ بتایا جائے، دوسری مرتبہ اصول سے گذر کر فروع کی تعلیم دینی چاہئیے، اور تیسرے درجہ مین کوئی چیز بھی نہ چھوڑنا چاہئیے، یہ ایک صحیح طریقہ ہے جس سے لڑکے کو تدریجاً مانوس کیا جاتا ہے، اوسکی قوت متخیلہ پر زیادہ زور نہین پڑتا اور وہ آئندہ کی تشریح دقائق کے سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے، بعض اساتذہ اس طریقۂ تعلیم سے ناواقف ہین اور وہ سب سے پہلے مشکل ترین مسائل طلبہ کے سامنے بیان کرتے ہین، یہ ایک غلطی ہے، اس قسم کی خراب تعلیم دماغ پر زور ڈالکر اس کو خراب کر دیتی ہے، طالب علم سمجھتا ہے کہ یہ چیزین علوم کا ضروری جزو ہین اس کی امید دلکا خاتمہ ہو جاتا ہے اور حتی الامکان پڑھنے سے احتراز کرنے لگتا ہے، ان تین درجون مین وقفہ کم ہونا چاہئیے ورنہ طالب علم نے جو پڑھا ہے بھول جا سکتا ہے، تعلیم ایک عادت ہے، تکرار سے ایک عادت ڈالی جا سکتی ہے، تکرار سے ایک علم مین کمال حاصل ہوتا ہے، ابن خلدون کی رائے ہے کہ ایک وقت مین ایک ہی چیز پڑھائی جائے اور جب وہ ختم ہو جائے تو دوسری شروع ہو، خود اس کے زمانہ مین اس پر عمل نہ تھا، اس نے ایک علحدہ باب مین بچون کی تعلیم کے متعلق لکھا ہے قرآن مجید بنیاد تعلیم ہو اس سے خدا کے متعلق ایمان مستحکم ہوتا ہے کہ لڑکپن مین جن چیزون کا اثر ہوتا ہے وہ دیرپا ہوتا ہے، اس وقت دنیائے اسلام کے مختلف ممالک مین مختلف طریقے رائج تھے، مراکش اور الجزائر مین قرآن مجید اور حروف کی مشق سے تعلیم شروع ہوتی، اگر وہ اس مین کامیاب

ہوتا تو یہ اسکی تعلیم کا خاتمہ ہوتا، ان ممالک کے باشندے قرآن پر کافی عبور رکھتے تھے، اسپین مین قرآن شق تحریر اور نظم سے تعلیم کی ابتدا ہوتی اس کے بعد صرف و نحو اور انشار کا درجہ تھا، اس طرح لڑکا عربی زبان و نظم کے سمجھنے کے قابل ہوجاتا، اس کے ساتھ ہی وہ تحریر و انشا، سے بھی واقف ہو جاتا ہے، طرابلس اور ٹیونس مین قرآن و حدیث کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے علاوہ مختلف علوم کے اصول بتائے جاتے ہین، مشرق کے مختلف ممالک کے متعلق اس کو زیادہ واقفیت نہین ہے، وہان صرف قرآن ہی نہین پڑھایا جاتا ہے، اور خطاطی ایک مستقل فن کی حیثیت سے ایک مستقل استاذ کے ماتحت سکھی جاتی ہے افریقہ کی ادب عربی کی تعلیم مکمل نہین ہوتی، کیونکہ وہان صرف قرآن پر زور دیا جاتا ہے اور اس کا طرز تحریر ناقابل نقل ہے، اسپین مین ادب کی اچھی تعلیم ہے، لیکن دوسرے علوم کی حالت خراب ہے، کیونکہ وہان قرآن و حدیث پر زیادہ توجہ نہین کیجاتی، ابن خلدون، قاضی ابوبکر بن العربی کے نصاب کو شرائط کے ساتھ منظور کرتا ہے اس نے مندرجہ ذیل نصاب مقرر کیا ہے،

(۱) عربی اور نظم (۲) حساب، (۳) قرآن شریف (۴) عقائد (۵) اصول فقہ (۶) منطق، (۷) حدیث، مگر اس مین بھی دو خرابیان ہین، (۱) دو فن ایک ساتھ پڑھائے جاتے ہین اور دوسرے بچون کے دل پر قرآن کی اہمیت نقش نہین ہوتی، قرآن کی تعلیم اگر لڑکپن مین دیجائے تو وہ تعمیر اخلاق مین بہت معاون ہوتی ہے، ابن خلدون کے نصاب کی تہ مین مذہبی جذبات کام کرتے ہین،

دوسرا سوال طریقہ تعلیم کا ہے، باپ بیٹے اور استاد شاگرد مین دوستانہ تعلقات نہ ہونے چاہئین، ضرورت سے زیادہ سختی بے کار ہی نہین مضر بھی ہے، اس سے قوت عمل برباد ہوجاتی ہے، اور تساہل، تکذیب اور ریاکاری کی عادت پیدا ہوتی ہے، قومون اور غلامون کا بھی یہی حال ہے، ایک لڑکے کو تین چھڑی سے زیادہ نہ مارنا چاہیئے، ہارون رشید نے اپنے بچون کے معلم کو جو ہدایات دی تھین ان پر عمل کرنا چاہیئے، لیکن ابن خلدون ایک صاحب تدبر شخص تھا

امام غزالیؒ کا قول ہے کہ تحصیل علم صرف خدا کی عبادت کے لیے ہونی چاہیئے، اس لئے انھون نے استاذ شاگرد کے فرائض کو بتاکر اپنے نصب العین کو پیش کیا ہے شاگرد کے دس فرائض ہین،

(۱) اعمال و خیالات کی صفائی، (۲) وطن و ملک کی بندشون سے آزادی (۳) استاد کی اطاعت (۴) پہلے صرف مصدقہ باتون کو حاصل کرے، (۵) تعلیم کی اصلی غایت "خدا" کو کبھی نہ بھولے (۶) تعلیم تدریجی ہو، (۷) جب تک ایک فن کے لیے جن باتون کی ضرورت ہے اون کو اچھی طرح حاصل نہ کرلیا جائے کوئی فن شروع نہ کیا جائے (۸) مختلف علوم کے مقصد و قیمت کو سمجھے (۹) تعلیم کا مقصد اپنی تعمیر و ترقی ہے، (۱۰) مختلف علوم کو غایت کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا علم حاصل کرے،

استاد کے فرائض یہ ہین:-

(۱) شاگرد کے ساتھ ملاطفت (۲) مادی نفع اس کا مقصد نہ ہو (۳) طالب علم کو اس وقت تک جبتک کہ اس کا دماغ کسی فن کے سمجھنے کے لائق نہ ہوجائے کوئی چیز نہ سکھائی جائے (۴) استاد کو چاہیئے کہ وہ شاگرد کو برائیون کے متعلق اشارۃً بالواسطہ طریقہ سے سمجھائے (۵) جو فنون پڑھائے ان کا مذاق نہ اڑائے (۶) معلم کو لڑکے کی استعداد اور سمجھ کے مطابق تعلیم دینا چاہیئے (۷) ایک کم علم لڑکے کو وسیع علوم و فنون کا حوالہ دیکر اُسے پست ہمت نہ کرنا چاہیئے (۸) استاد کو صرف تعلیم ہی کا ہوکر رہنا چاہیئے کیونکہ اگر باپ بیٹے کو جسم دیتا ہے تو استاد جان بخشتا ہے، امام غزالی نے جو ہدایات کی ہین ان سے صوفیانہ رنگ صاف جھلکتا ہے،

ابن خلدون کے خیال کے مطابق تحصیل علم کا مقصد صحت فکر ہے اس مین دو چیزین مزاحم ہوتی ہین، الفاظ اور خیالات کا الجھاؤ، یہ وہ چیزین ہین جو آدمی کو اس کے مقصد سے دور کردیتی ہین، الفاظ کا صحیح استعمال اور خیالات کا سلجھاؤ ایک ساتھ کام کرتے ہین، اس لیے انسان کو ان دونون کا سب سے زیادہ لحاظ رکھنا چاہیئے، . . . .

ذرائع تعلیم کے متعلق بھی ابن خلدون کے خاص خیالات ہین اس کے نزدیک کتابون کی بڑی تعداد کی مطلقاً ضرورت نہین، کثرتِ کتب سے تعلیم مین مزاحمت ہوتی ہے، اور لڑکے کے خیالات مین انتشار پیدا ہوجاتا ہے کہ ہر مصنف اپنے خاص طریقہ سے مسئلہ کو پیش کرنا چاہتا ہے، سیاحت بھی طالب علم کو بہت کچھ فائدہ پہنچاتی ہے کتابون کی تعداد انسان کو فائدہ نہین بخشتی، اگر ایک شخص قیروان، قرطبہ، بغداد اور دوسرے مقامات کے مالکی علمار کی تصانیف کو ان کے مخصوص اصطلاحات وطرزبیان کے ساتھ پڑھنا چاہے تو وہ کبھی ان تمام کتابون کو ختم نہ کرسکے گا، زندگی محدود ہے، اس قسم کی تعلیم بیماری ہے، بڑی کتابون کی تخلیص بھی کوئی اچھی چیز نہین، تلخیص مین خیالات کو کمترین الفاظ مین بیان کیا جاتا ہے، اس سے مبتدی کے خیالات مین الجھاؤ پیدا ہوجاتا ہے، اور وہ اصول کو فروع سے ملاکر تعلیم کے پہلے ہی اصول کی مخالفت کرتا ہے،

بنی اسرائیل کی غلامی کا ایک اور ثبوت

تقریباً ایک صدی کا عرصہ گذرا کہ مستشرقین اور ماہرینِ مصریات نے سعی وکوشش سے ہیروغرافی یا خطِ تصویری کے حروف دریافت کرلئے تھے اور فراعینِ مصر کے کتبے جو تاریخی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے ہین ان کے ذریعہ پڑھے جانے لگے تھے، لیکن یہ ایک عجیب بات معلوم ہوتی تھی کہ ان کتبون مین ان بدبخت یہودیون کا جو عرصہ تک فرعون کے مظالم کا شکار رہے کوئی تذکرہ بھی نہ تھا، ماہرین کا خیال تھا کہ کتاب خروج کے واقعات، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے پلیگ کا ظہور اور بالآخر فرعون کی بحر احمر مین غرقابی وہلاکت ایسی چیزین ہین جنکا کہین نہ کہین تذکرہ ضروری تھا، لیکن آج تک اس کا کہین بھی کوئی سراغ نہ لگا، اسی لیے یہ بات بھی طے نہ ہوسکی تھی کہ کون سا فرعون تھا جس نے ان عبرانیون کو مصائب کا شکار بنایا تھا حتیٰ کہ بعض اشخاص کو یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ بنی اسرائیل کبھی مصر مین تھے بھی یا نہین،

مگر اب ایک ایسا کتبہ مل گیا ہے، جو نہ صرف انجیل کے اس باب کی تصدیق کرتا ہے بلکہ واضح طور سے اس فرعون کا نام بھی بتاتا ہے، جس نے ان سے سخت کام لیے تھے، وہ رعمیس ثانی ہے، اسی کو بعض مورخین رعمیس اعظم بھی کہتے ہین اور ۱۳۰۰ ق، م مین تھا،

سب سے عجیب یہ حقیقت ہے کہ یہ کتبہ خود فلسطین کے ایک دیہات بیسن مین جو کسی زمانہ ایک بہت بڑا شہر تھا ملا ہے، انجیل مین اس کا نام بتشیان ہے، یہ بحر جلیلی سے جنوب کی جانب ۲۰ میل اور دریائے جورڈن سے مغرب کی طرف چار میل پر واقع ہے اسی مقام پر پنسلوینیا میوزیم یونیورسٹی (PENNSYLVANIAMUSEUMUNIVERSITY.) کے علمی وفد کے ارکان نے ہزارون برس کے مدفون پتھر کو پایا ہے، یہ پتھر مصری ہیروغرافی سے پر ہے اور اس پر فرعون رعمیس ثانی کے دستخط ثبت ہین، جس وقت ارکان نے ان کو صاف کیا ان کو معلوم ہوا کہ یہ حروف خود فرعون کے حکم سے کندہ کئے ہونگے، اس کے بعد ہی ان کی نظر ایک ایسے جملے پر پڑی جس نے انکو محوِ حیرت بنادیا اور ایک دوسرے کا تعجب سے منھ دیکھنے لگا کہ جس چیز کی اتنے دنون سے تلاش وجستجو تھی وہ یوسف مطلوب، مصر کی جگہ خود ارض مقدس مین ملتا ہے، اور کتاب خروج کا ایک ایک حرف اس سے سچا ثابت ہو رہا ہے، اس جملہ کے الفاظ یہ ہین:-

"اس (فرعون) نے متعدد سامیون کو جمع کیا اور اس نے ان کو مجبور کیا کہ وہ اس کے اعزاز مین اس کے نام پر رعمیس میری آمن نام شہر دریائے نیل کے مشرقی مرتفع پر بنائین"

یہ عبارت کتاب خروج سے اس قدر ملتی ہوئی کہ اب اس مین کوئی شبہہ نہین رہتا کہ یہ وہی فرعون ہے، کتاب خروج باب اول آیت ۱۱ کے الفاظ یہ ہین،

"اور انھون نے فرعون کے لیے مالدار شہر پیتھم اور رعمیس بنائے"

اس علاقہ کے اور کتبے اب تک پورے طور سے پڑھے نہین گئے ہین، لیکن اس کی تاریخ

اتنی ہی واضح و یقینی ہے، جتنی کسی خط کی یہ کتبہ بہار کے چوتھے مہینے کی پہلی کو رئمیس ثانی کے عہد حکومت کے نوین سال لکھا گیا ہے، اس کے سرے پر آفتاب کی تصویر ہے اور اس کے ارد گرد مقدس سانپ اس کے نیچے دو ادر تصاویر ہین ان مین بائین طرف والی دیوتا امین راکی اور دہنی جانب رئمیس ثانی کی ہے، بادشاہ اور دیوتا کے درمیان شاہی ظروف، رکابیون اور قیمتی جواہرات کی تصاویر بطور پیشکش کندہ ہین،

تاریخ الاسماء

عہد قدیم اور زمانۂ موجودہ کی مختلف قومون نے اپنے معتقدات مذہبی اور ماحول سے متاثر ہو کر جن معانی اور ترکیبون کو ملحوظ رکھکر اپنے بچون کے نام رکھتے ہین ان پر ایک عیسائی اہل قلم نے ایک مضمون لکھا ہے جسکی تلخیص یہ ہے:-

قدما حصول سعادت کے لیے اکثر اپنے بچون کے نام کسی معبود کی طرف منسوب کرتے تھے مثلاً اہل عرب اپنے بچون کے نام عبد مناف مصری توتنخ امون، اور عبرانی عمانوئیل رکھتے تھے جس کے معنی ہین کہ خدا ہمارے ساتھ ہے؛

قدیم اہل عرب اکثر اپنی مان کی طرف منسوب ہوتے تھے، مثلاً ابن عائشہ یا ابن فاطمہ جسکی وجہ یہ تھی کہ اُن کے یہان نکاح کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک عورت بہت سے لوگون کے ساتھ نکاح کرتی تھی، اس لیے مان کے سوا اور کسی متعین شخص کی طرف انتساب صحیح نہین ہو سکتا تھا،

قدیم اہل یونان کے نامون سے خاندان کے پیشے کا پتہ چلتا ہے، مثلاً جرجی کے معنے مالک زمین کے ہین اور اس کے بعض نام اُن معانی سے قریب تر ہین جو آج ہمارے نامون مین پائے جاتے ہین، چنانچہ فیلپ کے معنی گھوڑے کے دوست اور تھیوڈر کے معنی بندۂ خدا کے ہین،

عیسائیت کا ظہور ہوا تو تعمید کے وقت نام رکھے جانے لگے، اس لیے شخصیت کے علاوہ

اس سے مذہبی اثر کا بھی پتہ چلتا تھا لوگ پوپون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھتے تھے تاکہ وہ مدت العمر ان کی نگرانی مین رہین، اور چونکہ سیکڑون پوپ تھے، اسلیے نامون کے انتخاب کی گنجائش بہت زیادہ تھی، لیکن جب یورپ کی ترقی کا زمانہ آیا تو لوگ یونانیون اور رومیون کے مشہور لوگون کے نام پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے،

اس کے بعد پروٹسٹنٹ اصلاح مذہبی کا زمانہ آیا اور انجیل کی طرح یورپین زبانون مین تورات کا ترجمہ ہوا تو لوگ ان نامون پر اپنے بچون کے نام رکھنے لگے جو توراۃ اور انجیل مین مذکور تھے، برطانیہ اور ولایات متحدہ امریکہ پروٹسٹنٹ لوگون کا اب تک یہی حال ہے، اور پروٹسٹنٹ مصلح کالون لوگون کو یہ ترغیب دیتا تھا کہ تورات کے نامون پر اپنے بچون کے نام رکھین،

یورپ بالخصوص شمالی یورپ مین جب صنعتون کا رواج ہوا تو صنعتون کے نام مشہور ہوئے، چنانچہ انگریزی اور جرمنی کے اکثر نام حداد اور نجار وغیرہ ہین، بلکہ انگریزی کی نحوی کتابون مین حداد کو بطور مثال کے پیش کیا جاتا ہے، مثلاً ہم اگر مثال مین "زید آیا" کہتے ہین، تو وہ کہتے ہین کہ "لوہار آیا"،

اسلام سے پہلے اہل عرب کے نام باہم مشترک تھے، جس سے مذہبی امتیاز کا پتہ نہین چلتا تھا البتہ یہود جو تورات کے نام مثلاً سموال اور عدی وغیرہ پر نام رکھتے تھے، اس سے مستثنیٰ تھے، مثلاً کلیب امراء القیس، عمرو بن کلثوم اور مہلہل عام طور پر عیسائی تھے، بعض لوگون کا خیال ہے کہ امراء القیس مرقس کا معرب ہے، شام کے عیسائی، مسلمانون کے طرز کے نام رکھتے ہین، مثلاً حسن اور ہند وغیرہ،

عربی دنیا اور یورپ کے ایک حصے پر ترکون کو اقتدار حاصل ہوا تو اونکی زبان مین بعض یورپین نام مثلاً سکندر، اور بعض عربی نام داخل ہو گئے، اور ترکی نام بھی رکھنے لگے مثلاً ذہنی، رفقی، رافت، اور حشمت، جدید عربی دور مین شام کے بہت سے عیسائی، اور مصر کے قبطی اپنے بچون کے نام خالص عربی رکھتے تھے، مثلاً لیلی اور سعاد، لیکن ان مین کوئی شخص محمد اور علی کے نام پر نام نہین رکھتا،

ہم مین بالخصوص شرقی مسیحیون مین اب انگریزی نامون کا عام رواج ہوگیا ہے، اور وہ عربی اسما و القاب سے بالکل میل نہین کہاتے، اور اس سے ہمارے رابطہ قومیہ کے ضعف اور وطنی شرف کی تحقیر کا اندازہ ہوتا ہے، ہم عرب ہین اس لیے ہمارے نام بھی عربی ہونے چاہئین تاکہ ان سے ہمارے مزاج و مذاق کا اندازہ ہو،

لیکن اس موقع پر یہ بھی نظر انداز نہین کیا جاسکتا کہ مضمون نگار نے عربی نامون کے متعلق بعض اہم لغزشین کی ہین ابن عائشہ اور ابن فاطمہ جیسی کنیتون کی جو وجہ بتائی ہے وہ قابل تسلیم نہین، کون کہہ سکتا ہے کہ ابن ام کلثوم کی وجہ شہرت یہ ہے کہ ان کے باپ مسعود کا پتہ نہ تھا، اصل یہ ہے کہ جب قبیلہ مین کسی کے باپ سے زیادہ اسکی مان معروف ہوتی تو عموماً لوگ اسکو اسکی مان ہی کے نسبت سے پکارتے تھے، یہی وجہ ہے کہ لونڈیون کے لڑکے عموماً مان کی طرف منسوب ہوتے تھے،

امرء القیس، عمرو بن کلثوم، اور کلیب وغیرہ کے عیسائی ہونے کا نظریہ جدید ہے، تاریخ مین اسکی شہادت موجود نہین، ہمکو ان نامون کی نوعیت سے بھی ان کے عیسائی ہونے کا سراغ نہین لگتا،

امرء القیس" کو "مرقس" کی تحریف سمجھنا ایک فاش غلطی ہے، قیس یا "قیش" عزبون اور نطیون کا قدیم دیوتا ہے، اس نام کا ترجمہ قیس کا آدمی یا قیس کا محبوب ہے کیونکہ مرء کا اصلی مفہوم "پیارا" ہے اس نام کو انھین نامون مین شمار کرنا چاہیے، جن سے اہل عرب کے قدیم مذہبی خیالات کا پتہ چلتا ہے،

عمرو، کلثوم، کلیب خالص عربی انداز کے اسما ہین، نام رکھنے کے متعلق اہل عرب کا عام مذاق یہ تھا کہ وہ اپنے غلامون کو تو سعید، نافع، اور انس (صاحب انس) جیسے خوش اسلوب نامون سے پکارتے تھے، مگر خاص اپنے لڑکون کو ایسے الفاظ سے موسوم کرتے تھے جن مین شدت، صلابت، بہادری اور خونریزی کا شائبہ موجود ہو، مثلاً ان کا نام ہوتا تھا جبل (پہاڑ) سرقہ (ڈاکو) خنقی (دیکجت) اسی معمول کے تحت وہ اکثر اپنی اولاد کو زہریلی یا خاردار نباتات، تنکا، چڑیون، درندہ جانورون اور موذی کیڑون کے نام سے بھی موسوم کرتے تھے، اسد (شیر) کلب (کتا) اوس (بھیڑیا) عرب کے مشہور قبائل ہین، اس بنا پر کلیب (چھوٹا کتا) اور کلثوم (ہاتھی) بھی خالص عربی انداز کے اسما ہین،

(الہلال مصر)

اخبار علمیۃ

مجلس جغرافیہ کا ایک وفد

ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مجلس جغرافیہ وہان کی دوسری علمی مجالس کے ساتھ ملکر عنقریب ایک وفد تقریباً تمام دنیا کی سیاحت کے لیے روانہ کریگی، اس وفد کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ مختلف مقامات پر آفتاب کی مختلف درجہ کی حرارت کی پیمائش کرے، یہ کام چار سالون مین ختم ہوگا اور اس سے بہت کچھ علمی و تجارتی فوائد کی امید ہے،

کپڑونکی حفاظت کا ایک نسخہ

ہمارے ریشمی، اونی اور سوتی کپڑے ابھی تک کیڑون کی دست برد سے محفوظ نہین تھے، لیکن اب ایک جرمنی ماہر کیمیا نے ایک ایسی دوا ایجاد کی ہے جو اس کیڑے کی نسل ہی کو بالکل تباہ کردیگی، یہ کیڑا ایک دن مین ایکہزار انڈے دیتا ہے، اس دوا مین نہ تو بو ہے اور نہ رنگ اور اس کو کپڑون اور گردن دونون جگہون پر یکسان استعمال کیا جاسکتا ہے، اس جرمنی عالم کا نام ڈاکٹر ملیک ہے،

عود شباب کا ایک جدید نسخہ

اس وقت تک ڈاکٹرون نے بڑھاپے سے نجات حاصل کرنے اور از سر نو جوان بننے کے لیے جو علاج دریافت کیا تھا وہ یہ تھا کہ کسی جوان کے غدود اس شخص کے بدن مین داخل کردیے جائین، مگر ایک نوجوان ڈاکٹر ہیلن جیوز نے کی نے دعوی کیا ہے کہ وہ کمزور بڈھون کو تکلیف دینا نہین چاہتا اور نہ غدود کے بدلنے کی زحمت گوارا کرنا ہوگی، بلکہ ایک جوان کے خون کے چند قطرے ایک سوئی کے ذریعہ ایک معمر آدمی کے بدن مین پہنچا دیے جائین گے اور پیرس ڈاکٹر مذکور پیرس مین اس کا تجربہ کررہا ہے اور ایک بڑی حد تک اس مین کامیاب بھی ہوگیا،

آپکی توجہ مین کیونکر خلل نہ پڑے گا

انسان کے لیے ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز پر غور کر رہا ہو کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جس سے اسکی توجہ مین خلل پڑے آپ کسی گوشۂ مکان مین بھی رہین گے، تو بھی اس جگہ کا حول رہ رہ کر آپ کی توجہ کو اپنی طرف منعطف کرائے گا، اس سے بچنے کے لیے پروفیسر گرنس بیک (Prof. Gernsback) نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے، جس کو پہن لینے سے نہ تو باہر کی کوئی صدا کان مین آتی ہے اور نہ کسی دوسری چیز پر نظر پڑ سکتی ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ انکو اس مین ۵، فی صدی کامیابی حاصل ہو چکی ہے

ڈنمارک کی جدید تعزیرات

ڈنمارک (یورپ) کی حکومت ایک قدیم حکومت ہے اس لیے وہان کا قانون قدیم قانون تھا، لیکن اب وہان کی تعزیرات مین بہت کچھ ترمیم و اصلاح کرکے بالکل نئے نئے قوانین و دفعات کا نفاذ ہوا ہے، جدید دفعات کے روسے سزاے موت بالکل موقوف کر دیگئی ہے حبس دوام کی سزا بھی اٹھ گئی اور صرف بادشاہ وقت کے قتل کی کوشش کیلئے مخصوص ہے قید کی بڑی سے بڑی میعاد ۱۰ سال کی ہے،

بہرون کیلئے جدید طریقۂ علاج

اس وقت تک اگرچہ بہرہ پنے کے متعدد علاج نکل چکے ہین لیکن حال مین ڈاکٹر آرتھر جاکبسن نے ایک اور نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جو جراحت اور دوا، دونون سے آزاد ہے وہ مریض کو ایک ہوائی جہاز پر بٹھاتے ہین، جہاز ہوا مین بلند ہوتا ہے اور کچھ بلندی پر جاکر ناک کے بل نہایت تیزی سے نیچے آتا ہے، اس طرح رفتہ رفتہ بہرہ پن کم ہوتا ہے،

ادبیات

مولانا شبلی مرحوم کی ایک نا تمام غیر مطبوعہ نظم

از

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی، حیدرآباد دکن

ناظرین کو یاد ہوگا کہ ذیحجہ [illegible]ھ کے معارف مین ادبیات کے نیچے، مولانا مرحوم کی ایک نا تمام غیر مطبوعہ نظم بعنوان "باقیات صالحات ترکان عثمانی" کے عنوان سے شائع کی تھی، اسکی اشاعت کے ساتھ حیدرآباد کے باخبر حلقہ مین ایک شورش پیدا ہوگئی، منشی ظفر الملک علوی اڈیٹر الناظر نے لکھنؤ سے (جو اس زمانہ مین حیدرآباد مین تھے) اور نواب اکبر یار جنگ نے ہمارے دوست پروفیسر ہمین عبد العزیز صاحب کے ذریعہ سے (جو اس وقت حیدرآباد مین تھے) ہمکو ہماری غلطی پر متنبہ کیا، اصل یہ ہے کہ یہ نظم ہم کو اسی طرح نا تمام مولانا کے ہاتھ سے ایک کاغذ پر لکھی ہوئی ملگئی، مضمون کا انداز یہ چاہتا تھا کہ یہ کسی اسلامی سلطنت کو مخاطب کرکے لکھنی شروع کیگئی تھی، شاعر کو ترکون سے جو محبت تھی اس کو پیش نظر رکھکر ہم یہ سمجھے کہ یہ نظم جنگ بلقان کے زمانہ مین مولانا نے دولت عثمانیہ پر لکھنی شروع کی تھی، مگر حیدرآباد کے باخبر حلقہ نے یہ بتایا ہے کہ یہ دولت عثمانیہ کو مخاطب کرکے نہین بلکہ دولت آصفیہ کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، چنانچہ ذیل کے مضمون سے اصل حقیقت ظاہر ہوگی، لیکن جب نظم لکھی گئی تھی تب تو نہین مگر اب جس وقت یہ معارف مین شایع ہوئی، ہم اپنی غلطی کا اقرار کیے بغیر کہتے ہین کہ یہ دولت عثمانیہ ہی کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہے، مگر وہ دولت عثمانیہ نہین جس کا نام اب جمہوریۂ ترکیہ ہے

بلکہ وہ "دولت عثمانیہ" جس کے فرمانروا آج نظام الملک اعلیٰ حضرت میر عثمان علیخان ہین، کیا اب بھی احباب حیدرآباد کو اعتراض ہے،

"اڈیٹر"

مولنا شبلی کی جو نظم ماہ ذیحجہ ۱۳۴۳ھ کے "معارف" مین آپ کے حاشیہ کے ساتھ شائع ہوئی ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ:۔

آج سے تیس سال قبل ۱۳۱۴ھ مین مولانا مرحوم حیدرآباد تشریف لائے تھے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا علی گڈھ کالج سے کنارہ کش ہوچکے تھے اور حیدرآباد نے بھی مولانا کی ابھی سرپرستی نہین کی تھی، اس وقت کے بعض عقیدت مندون نے مولانا کی زبان سے اسلام کے متعلق کچھ جی لگتی باتین سننی چاہی تھین چنانچہ مولوی عزیز مرزا مرحوم، مولوی عبدالغنی وارثی مرحوم مولوی مسعود علیصاحب بی اے (حال مترجم دارالترجمہ) مولوی محمد جامع صاحب (حال مددگار معتمد عدالت) بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی ۱۴ھ ایک جلسہ کا انعقاد کیا جلسہ "کاسمپولین ہوٹل" (جسکو اب محسن الملک کی کوٹھی کہا جاتا ہے) مین ہوا تھا مولوی خدابخش خان مرحوم جنکی پٹنہ مین لائبریری مشہور ہے جلسہ کے صدر مقرر ہوئے تھے، یہ ان دنون یہان کی عدالت عالیہ کے میر مجلس تھے،

جلسہ مین مولوی عزیز مرزا مرحوم نے عقیدت نامہ (اڈریس) پڑھا تھا، مولانا نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور اصل موضوع "اعجاز القرآن" پر بحث کرنے سے پیشتر سرزمین دکن کو مخاطب کرکے یون کہا تھا کہ:۔

اے دکن اے کہ جہان را سر و سودا با تست
اے کہ مجموعۂ صد یاس و تمنا با تست

یہ نظم ایک ایسی نظم ہے جسکو ایک بڑے مجمع نے خود مولانا مرحوم کی زبان سے سننے کا لطف اٹھایا تھا اس کے بعد پھر وہ شائع بھی ہوگئی لوگون نے حفظ بھی کیا اور آج تک نے لے لیکر وہ اسکو دہراتے ہین خود راقم الحروف کے پاس اسکی مطبوعہ نقل موجود ہے، بعض خوش وقت شاعرون نے اس کے جواب بھی لکھے،

معارف مین جو بند شائع ہوا ہے اس مین اور قدیم نقل مین کچھ فرق بھی ہے، ظاہر ہے کہ معارف کو اس بند کا مسودہ بھی ملا ہے، بہت ممکن ہے کہ مولانا نے اس کو کسی دوسرے کاغذ پر صاف کرلیا ہو اور وہ مبیضہ جلسہ مین کسی پرجوش نیازمند کے ہاتھون پہنچ گیا ہو،

یہ نظم ترکیب بند کے دو بند ہین دوسرے بند کی ردیف ہی "دکن" ہے صحت واقعہ کیلئے پوری نظم درج ذیل ہے:۔

اے دکن ایکہ جہان را سر و سودا با تست — اے کہ مجموعۂ صد یاس و تمنا با تست
اے کہ صد نقش ز ہر پردہ بر انگیختۂ — اے کہ صد جلوہ گری ہا کہ تماشا با تست
زاہد استی کہ سر صدق و صفا ہست ترا — شاہد استی کہ دلآویز ادا ہا با تست
ساز نیرنگی و صد نغمۂ رنگین داری — لوح ارژنگی و صد پیکر زیبا با تست
یادگار حشم و دیلم و سلجوق استی — مایۂ دولت بغداد و بخارا با تست
داستان ہائے عزیزان ہمہ از بر داری — خبر از قافلۂ یثرب و بطحا با تست
آن پراگندہ نژاد عرب و نسل عجم — یعنی آن دفتر اسلام بجزا با تست
گرچہ شیرازۂ امت ہمہ ابتر شدہ است — آن ورق ہائے پراگندہ بیک جا با تست
گرچہ زان میکدہ اکنون اثری نیست بجائے — جرعۂ چند ازان شیشہ و مینا با تست
گرچہ آن تازہ چمن رفت بتاراج خزان — باز ہم بوئے خوشی زان گل رعنا با تست
گرمی صحبت آن میکدہ سر جوش تو ہست — مصر و غرناطہ و بغداد در آغوش تو ہست

اے بزرگان گران پایہ دارکان دکن — اے ہمہ شمع فروزندۂ ایوان دکن،

ہر سر موئے من امروز زبانے شدہ است — بسپاس آوری منت اعیان دکن

پائے تا سر ہمہ دربند کرم ہائے شماست — می توان خواندنم از جملہ اسیران دکن

با غریبے چو منے این ہمہ الطاف و کرم — چہ کنم اگر نشوم بندۂ احسان دکن

ہم ز گیرائی اخلاق دلآویز بود — کہ بود رومی و شامی ہمہ مہمان دکن

بوئے خلق است کہ دل می بردم ورنہ مرا — نتواند کہ فریبد گل و ریحان دکن

یارب آن باد کہ این تخت گہ دولت و دین — سبز و خرم بود از فیض سلیمان دکن

میر محبوب علیخان نظام آصف جاہ — تاجدار دکن و قیصر و خاقان دکن

صدر جم مرتبہ نواب وقار الامراء — آنکہ صد پایہ فزود از شرفش شان دکن

وان دگر صدر نشینان و عزیزان وطن — کہ بود از دم شان زینت ایوان دکن

همہ را بزم طرب باسر و سامان باشد

شبلیؔ خستہ ہم از حاشیہ بوسان باشد

اب ناظرین معارف پر یہ بات اظہر من الشمس ہوجاتی ہے کہ پہلے شعر مین جو پنج حرفی لفظ جو نہ معلوم مولانا نے کیون نہین لکھا وہ آخر "اے دکن" ہو کر ان کے قلم سے ادا ہوا،

بس سارا خطاب ترکان عثمانی کے باقیات صالحات سے نہین بلکہ مخلیہ شوکت و سطوت کے یادگار سے ہے،

سیر الصحابیات

جن مین نہایت مستند حوالون سے ازواج مطہرات، بنات طاہرات اور عام صحابیات کے سوانح اور ان کے اخلاقی و مذہبی علمی کارنامے درج ہین، لکھائی چھپائی اور کاغذ اعلیٰ ضخامت ۲۲۵ قیمت ۱۲؎ "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

اسلامی خلافت کا کارنامہ

مؤلفہ

جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب رئیس دتاولی، علی گڈھ،

حاجی صاحب ممدوح کا نام قومی کامون کے سلسلہ مین اکثر زبانون پر آیا ہے، مگر ایک مصنف کی حیثیت سے وہ شاید سب سے پہلی دفعہ ظاہر ہوئے ہین، اس کتاب کا نام خود بتا رہا ہے کہ یہ تحریک خلافت کے پرجوش عہد کا کارنامہ ہے، چنانچہ حاجی صاحب نے خود تمہید مین بھی اس کا ذکر کیا ہے، اس کتاب کا موضوع یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ خلافت کا فرض مسلمانون کے سپرد ہو دنیا کے بڑے بڑے ملکون اور قومون کی اخلاقی اور روحانی حالت کیا تھی؟ اور کس درجہ وہ تاریکی، گمراہی اور گندگی مین مبتلا تھین، اس سلسلہ مین مصنف نے یورپ، افریقہ اور ایشیا کے تین بابون کے نیچے ہر براعظم کے ماتحت ملکون مین سے ایک ایک ملک کی کیفیت ایک ایک فصل مین دکھائی ہے، اس طرح قدیم یونان، رومۃ الکبریٰ، جرمنی، اسپین، فرانس، انگلستان، مصر، کارتھیج، طرابلس، مراکش، حبش، افریقہ کے دیگر ممالک، پھر ایران، ہندوستان، چین، وسط ایشیا، افغانستان، اور عرب کے ملکون اور قومون کی مذہبی اور اخلاقی پستی کا مرقع کھینچا گیا، اور بتایا گیا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی روحانی پستی کس حد تک پہنچ چکی تھی،

واقعات کی تلاش اور جستجو مین مصنف نے خاصی محنت اٹھائی ہے، اور ذرا ذرا سے واقعہ کو

جس سے ان کے دعوی کو مدد مل سکے کتابون کے سینکڑون صفحات سے چنکر یکجا کیا ہے، یورپ کی اخلاقی تاریخ کی تفصیل مین زیادہ تر لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ، اور گبن کی تاریخ زوال روم سے اور ہندوستان کے بیان مین سیتارتھ پرکاش، الفنسٹن کی تاریخ ہند، ہندو کلاسیکل ڈکشنری، اور منو سمرتی پر بھروسہ کیا ہے، عرب کے حالات خطبات احمدیہ، اعجاز التنزیل اور اخبار الاندلس سے لیے ہین، خوشی کی بات یہ ہے کہ ماخذ کی زیادہ تر کتابین اردو کی ہین، اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ہماری قومی زبان کا سرمایہ کسقدر وسیع ہو گیا ہے،

حاجی صاحب کی اس محنت کو ہم بہت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہین اور اسلام کی راہ مین اس کو ایک خاص خدمت سمجھتے ہین، اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے دنیا کی اخلاقی، روحانی اور مذہبی کیفیت کیا تھی، اور اسلام نے آکر اس مین کیا انقلاب پیدا کیا، اور کس قدر اس پر احسانات کیے یہ اسلام سے پہلے کی دنیا کا آئینہ ہے، جس مین اس مین کی مکروہ ترین صورت نظر آتی ہے، اور اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام نے اس آئینہ مین کیا صیقل پیدا کیا،

ہمارے اردو مطابع مین غلطیون کی تو یون بھی پرسش نہین ہوتی، مگر اس کتاب مین خصوصیت کے ساتھ چھپائی کی غلطیان زیادہ ہین، یونان و روم کی ابتدائی تاریخون کے لیے مصنف نے مشرقی مورخون کو اور ان مین سے بھی متاخرین کو مثلاً آخوند شاہ (روضۃ الصفا) اور ابو الفدار کو ماخذ بنایا ہے، مگر یہ صحیح نہین جبکہ ان قومون کی اصلی تاریخون تک انگریزی کے ذریعہ سے رسائی ممکن تھی، اسی لئے مصنف نے ان قومون کو سام بن نوح یا حضرت ابراہیم کی نسل قرار دینے مین غلطی کی ہے (صفحہ ۲۰) عیسائیون کا حضرت اسمٰعیل کی ہڈیون کو فلسطین سے قسطنطنیہ لے جانا بھی عجیب واقعہ ہے،

چوتھی صدی کے عیسوی مذہب کا جو بیان گبن کے تاریخ زوال روم جلد ۳ باب ۲۸ سے لیا گیا ہے وہ پڑھنے کے لائق ہے:-

"اور اس زمانہ مین دھڑے سے ولیون، شہیدون اور راہبون کی مردہ ہڈیون اور تبرکون کی پوجا شروع ہو گئی تثلیثیون کی اس رغبت اور شوق سے ان کے دینی پیشوا پادریون اور درویشون کی دولتمندی کی ہوس مین تحریک ہوئی ان مقدس لوگون نے سمجھ لیا کہ ولیون اور شہیدون کی لاشین اور ہڈیان سونے چاندی اور جواہرات سے زیادہ بیش قیمت ہین یہ خیال جما کر تثلیثی دینی پیشوا اور پادری اس طرف متوجہ ہو گئے، اور تلاش کر کرکے اس بیش قیمت خزانہ کو اپنے گرجون اور خانقاہون مین رکھنے لگے، ان مذہبی ہادیون کے اس طریقہ سے تثلیثیون کی مخلوق پرستی کے شوق مین اور ترقی ہونے لگی، گبن بتاتا ہے کہ سینٹ انڈرو، سینٹ لیوک اور سینٹ ٹیموتھی ان تینون ولیون کی نعشین تین سو برس کے بعد ان کے پرانے قبرستان سے نکالکر بڑے کر و فر کے ساتھ قسطنطنیہ مین لاکر باسفورس کے کنارہ پر قسطنطین کے بنائے ہوئے حواریون کے گرجا مین دفن کر دی گئین، حضرت اسمٰعیل کی ہڈیان فلسطین سے برآمد کر کے ایک سونے کے برتن مین ریشمین چادر سے ڈھک کر عظیم الشان جلوس کے ساتھ قسطنطنیہ مین لائی گئین جنکی زیارت کے واسطے فلسطین سے قسطنطنیہ تک زائرین کا تانتا بندھا ہوا تھا اور خود شہنشاہ آرکیڈیوس درباری امیرون کو ساتھ لیکر دور تک ان ہڈیون کے استقبال کو گیا تھا، مشرقی دار السلطنت مین ان ہڈیون کی ایسی آؤ بھگت ہوئی جیسے کوئی زندہ رسول آیا ہو"

"تھیوڈوسیس ثانی کے عہد مین بیت المقدس کے ایک راہب لیوشن کے خواب کی بشارت پر، ولی استیفانوس کی نعش زمین سے نکالکر سیون کی پہاڑی کے ایک خاص گرجا مین دفن کر دی گئی جو اسی غرض سے بنایا گیا تھا، غرض اسی طرح سینکڑون ولیون درویشون اور شہیدون کی نعشین اور ہڈیان تلاش کر کر کے مشرقی اور مغربی رومن تخت گاہون کے گرجون اور خانقاہون مین رکھی جاتی تھین، تثلیثیون کا اعتقاد تھا کہ مرے ہوئے ولی اور شہید جو

آسمان پر حضرت مسیحؑ کے ساتھ بادشاہت کر رہے ہین برابر اپنی رحم کی نظر زمین پر رکھتے ہین اور دعا مانگنے والون کی دعائین سنتے اور سمجھتے ہین دنیا کے کسی حصہ مین بھی ان سے مدد مانگنے سے مدد ملتی ہے،، اس زمانہ مین صرف اصل ولیون کی ہڈیون کو تلاش کرکے لانے پر بس نہین کیا جاتا بلکہ بعض لاشون اور ڈھانچون کے فرضی نام رکھکر اونکی طرف کسی ولی یا شہید کے حالات منسوب کر دیئے جاتے تھے، یہ مخلوق پرستی صرف قسطنطنیہ اور روما کے تثلیثیون ہی مین مروج نہین تھی، بلکہ ان تخت گاہون سے ترغیب پاکر تمام دنیا کے تثلیثیون مین مردہ لاشون اور ہڈیون کی پوجا شروع ہو گئی تھی اور تمام تثلیثی دنیا نہ صرف "باپ بیٹا اور روح القدس" کو مخلوق کے کامون پر حاوی سمجھتی تھی، بلکہ مردہ ولیون شہیدون اور مقدس لوگون کو بھی قاضی الحاجات یقین کرتی تھی،،

کتاب ۰۰۰ صفحون مین تمام ہوئی قیمت عہ مشرف منزل علی گڈھ، یا دتا ولی علیگڈہ کے پتہ سے ملے گی،

دکن مین اُردو،

مؤلفہ

مولوی نصیر الدین صاحب ہاشمی،

اردو زبان کے تمام تذکرہ نویسون نے اگرچہ دکن کو اردو زبان اور اردو شاعری کا مسقط الراس تسلیم کیا ہے، لیکن دکن مین اردو زبان اور اردو شاعری نے دور بدور جس طرح ترقی کی ہے، اسکی تاریخ سے ہمارے تمام تذکرہ نویس بالکل سرسری طور پر گذر گئے ہین، چنانچہ میر صاحب نکات الشعرا مین لکھتے ہین،

مخفی نماند کہ احوال یکے ازین شاعران سمت دکن کہ پُر بی رتبہ اند مگر بعض، چنانچہ ولی و سید عبد الولی و سراج و آزاد کہ معاصر ولی بود، سر رشتۂ مربوطا گو کی بدست ایشان

یافتہ می شود باقی سر کلاغ داشت،

میر حسن دکن کے قدیم شعرار مین حبیب و حسن کے تذکرے مین لکھتے ہین،

،، اکثر اشعار اینہا در بحر کبت بنظر آمدہ چون الفاظش ربط بیکدیگر نداشتند بقلم نیاورد؛

لیکن اب زمانے کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویسی کی حیثیت بھی بالکل بدلگئی ہے، پہلے صرف وہی شعرار قابل اعتبار خیال کئے جاتے تھے جن کے کلام مین کوئی شاعرانہ لطافت موجود ہو یا کم ازکم اونکا کلام شاعرانہ معیار سے گرا ہوا نہ ہو، چنانچہ ہمارے تمام تذکرون مین اسی قسم کے شعرار کے حالات درج کئے گئے ہین اور اس حیثیت سے شعرائے دکن کی اصلی حیثیت بالکل نظرانداز کردیگئی ہے، لیکن اب تذکرون مین شاعرانہ لطافت سے زیادہ تاریخی تحقیق کی جستجو کیجاتی ہے،، اور اس حیثیت سے ہماری نگاہ سب سے پہلے شعرائے دکن پر پڑتی ہے،، اور قدرتی طور پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہین کہ دکن مین اردو زبان کب پیدا ہوئی؟ وہان نظم و نثر کی ابتدار کب سے ہوئی؟ کس دور مین کون کون سے شعرار پیدا ہوئے اور انھون نے اصناف سخن مین سے کس کس صنف مین طبع آزمائی کی؟ ان کے کلام کا کس قدر حصہ محفوظ ہے؟ تقدم کے لحاظ سے نثر و نظم مین کیا نسبت ہے؟ یعنی پہلے نظم وجود مین آئی یا نثر؛ لیکن ان سوالات کے جواب دینے کے لیے جن تاریخی مواد کی ضرورت ہے وہ صرف دکن ہی مین موجود ہین،، اور ان خزانون کے وقف عام کر دینے کا فرض بھی اہل دکن ہی پر عائد ہوتا ہے،، اور ہمین مسرت ہے کہ اب اہل دکن نے اس طرف خاص طور پر توجہ کی ہے،، اور زیر تنقید رسالہ اسی توجہ کا نتیجہ ہے،

اس رسالے کے مؤلف نصیر الدین صاحب ہاشمی منشی فاضل ہین جنھون نے قدیم زمانے سے لیکر آج تک دکن مین اردو زبان کی نظم و نثر کو جس قدر ترقی حاصل ہوئی ہے،، اوسکی تاریخ مرتب کی ہے،، اور سب سے پہلے اردو کے قدیم شعرار مثلاً وجدی، سعدی، سلطان محمد قلی قطب شاہ، محمد قطب شاہ، عبد اللہ قطب شاہ، نشاطی غواصی، احمد خلیدی، شاہی، مرزا، شعور، بیچارہ، بحری، طالب

نوری اور موسن کا ذکر کیا ہے، اور ان کے کلام کے نمونے درج کیے ہین، ان نمونون مین اگرچہ غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ سب کچھ ہے، لیکن انھون نے اسکی تحقیق نہین کی ہے کہ اردو زبان مین ان مین کونسی صنف پہلے پیدا ہوئی؟ اور اوس کے پیدا ہونے کے اسباب کیا تھے؟

تاہم انھون نے جو نمونے درج کئے ہین ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانے مین مثنوی گوئی کا زیادہ رواج تھا اور تقریبًا ہر شاعر کوئی نہ کوئی مثنوی کہتا تھا، اس لیے اردو شاعری کی ابتدا غزل کے علاوہ کسی مسلسل ہی نظم سے ہوئی ہوگی، مصنف نے اردو کا پہلا شاعر وجدی کو قرار دیا ہے، جنکی دو مثنویان پنچھی نامہ اور تحفۂ عاشقان ملی ہین، پہلی مثنوی منطق الطیر کا، اور دوسری خسرو نامہ کا اردو ترجمہ ہے اور سال ترجمہ ۱۰۱۵ھ پنچھی نامہ ۱۱۵۵ھ مین ترجمہ ہوئی ہے، اسی لیے اس کے مترجم کی شخصیت کی نسبت شکوک ہین،

اس کے بعد مصنف نے اردو نثر کی ابتدا سے بحث کی ہے اور اگرچہ اس سلسلے مین اس تاریخی سوال کو نظرانداز کر دیا ہے کہ اردو زبان مین نثر پہلے عالم وجود مین آئی یا نظم؟ تاہم مولانا محمد حسین آزاد کے اس خیال کی تردید کی ہے کہ وہ مجلس اردو زبان کی پہلی تصنیف ہے، اور اردو کی متعدد تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو زبان مین نثر و نظم نے ساتھ ساتھ ترقی کی ہے، چنانچہ عہد قطب شاہی مین مولانا عبداللہ نے ۱۰۳۶ھ مین ایک رسالہ لکھا جسکا نام احکام الصلوۃ ہے، اسی دور کی دوسری کتاب سب رس ہے جسکو ملا وجہی نے غالبًا حضرت وجیہ الدین گجراتی متوفی ۹۹۸ھ کی تالیف سے ترجمہ کیا ہے، تیسری کتاب شمائل الاتقیا ہے، جس کے اصل مصنف شیخ برہان الدین اورنگ آبادی نے فارسی مین لکھا تھا، مگر اس کا ترجمہ میران یعقوب نے ۱۰۷۰ھ مین کیا ہے، یہ تصوف مین ہے اور اچھی ضخیم کتاب ہے، مصنف نے ان کتابون کی اردو نثر کے نمونے بھی دیدیے ہین، جس سے اس زمانہ کی اردو زبان کی کیفیت معلوم ہوتی ہے،

غرض اس طرح دکن مین نثر و نظم نے آج تک جس طرح دور بدور ترقی کی ہے اوسکی مسلسل تاریخ لکھی ہے، اور شعراء و مصنفین کی نظم و نثر کے بکثرت نمونے دئے ہین، اخیر مین دکن کے اخبارات و رسائل کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور انکی فہرست دی ہے، جامعۂ عثمانیہ کا مفصل تذکرہ بھی موجود ہے جس نے موجودہ دور مین اردو زبان کو علمی زبان بنایا ہے، داغ و جلیل اگرچہ دکن کے رہنے والے نہ تھے لیکن چونکہ ان کی شاعری کا غلغلہ دکن ہی سے بلند ہوا ہے، اسلیے اس رسالے مین ان کا تذکرہ بھی موجود ہے، لیکن اردو زبان کے جو بڑے بڑے مصنفین اور انشاپرداز مثلاً مولانا شبلی، مولانا حالی، اور مولانا شرر وغیرہ ہوئے ہین اونکی سرپرستی بھی دکن ہی کی ریاست حیدرآباد نے کی ہے، اس لیے اگر اس سلسلے مین ان کا نام بھی شامل کر لیا جاتا تو اردو کی ترقی مین دکن کا حصہ اور بھی نمایان نظر آتا، بہرحال اردو زبان کی تاریخی تحقیق کی طرف جو قدم بڑھایا گیا ہے اوس کے لحاظ سے گو اس رسالے کو مکمل نہین کہا جاسکتا تاہم اس مین اس قسم کی معلومات کا ایک معتدبہ ذخیرہ موجود ہے اور اردو زبان کا آئندہ مورخ ان سے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتا ہے، یہ اردو زبان کی محققانہ تاریخ کا پہلا قدم ہے، اور اسلیے مصنف کی یہ محنت بیحد شکرگذاری کے لائق ہے،

کتاب کی ضخامت ۱۸۰ صفحے ہے، قیمت دو روپیہ، پتہ:- مولوی نصیر الدین ہاشمی صاحب ترپ بازار، حیدرآباد دکن،

سیر الانصار

حصۂ اول

سیر الصحابہ کا وہ حصہ جس مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے سوانح و حالات اور ان کے فضائل و کمالات مستند ذرائع سے بہ ترتیب حروف تہجی لکھے گئے ہین، ضخامت ۳۶۵ صفحے، قیمت [illegible]

مطبوعات جدیدہ

الایمان، مولوی مقتدی خانصاحب شروانی نے چھوٹے بچون کے ذہن نشین کرنے کے لیے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ... کی سلیس اور صاف زبان مین تفسیر لکھی ہو جس کے پڑھنے سے اسلام کے سادہ اور صاف عقائد بچون کی سمجھ مین بہت آسانی سے آسکتے ہین، حجم ۱۵ صفحے کتابت وطباعت بچون کے پڑھنے کے لائق ہے، قیمت ار پتہ مولوی محمد مقتدی خانصاحب شروانی مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ علی گڈہ،

حبیب القواعد اردو، مؤلفہ جناب محمد حبیب اللہ صاحب، یہ اردو کا ابتدائی قاعدہ ہے، طریقۂ تعلیم کے متعلق جابجا ضروری حواشی دیئے گئے ہین، حجم ۳۲ صفحے کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ار پتہ مولوی دین محمد صاحب کتب فروش بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

تذکرۃ النحاۃ، یہ مولوی محمد جلیل صاحب نے عربی زبان کے چند نحویون کے مجمل تذکرے فارسی مین لکھے ہین، تاکہ عربی مدارس کے صرف ونحو پڑھنے والے طلبہ ان کا مطالعہ کرسکین، حجم ۱۸ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے، قیمت ۲ر پتہ:- محمد جلیل صاحب انصاری مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ،

خدائی انکم ٹکس، یہ خواجہ حسن نظامی صاحب کا ۸۰ صفحون کا ایک رسالہ ہے جس مین پہلے فلسفۂ زکوۃ پھر مسائل زکوۃ مختصراً بتائے گئے ہین، پھر آیت انما الصدقات للفقراء..... پر بحث کرکے علحدہ علحدہ اختصار کے ساتھ ہر مصرف کی توضیح کیگئی ہے، کاغذ معمولی کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت ۸ر پتہ دفتر حلقہ مشائخ بکڈپو، دہلی،

ازواج النبی، مولوی عبد اللہ الدلادی صاحب ناظم دعوت وتبلیغ لاہور نے ازواج مطہرات سے متعلق آنحضرت صلعم پر غیر اقوام کی طرف سے جو بے معنی اعتراضات کئے جاتے ہین، اس رسالہ مین ان کے مدلل جوابات دئے ہین اور ہندؤن، یہودیون اور عیسائیون کی کتابون سے اس کا جواز عملی دکھایا ہے، ۷۰ صفحے، کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے قیمت ۸ر پتہ جمعیت دعوت وتبلیغ اسلام لاہور،

کاشف الاسرار، بہائیت کا فتنہ ایران سے گذر کر برما اور ہندوستان مین داخل ہوچکا ہے، زیر تبصرہ رسالہ مین جناب موسیٰ ابراہیم مانت متعلم بی اے کلاس رنگون یونیورسٹی کالج نے اسرار بہائیت کا پردہ چاک کیا، جہان اس کے فتنے موجود ہون وہان اس رسالہ کے پہنچانے کی ضرورت ہے حجم ۴۴ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، انجمن تبلیغ اسلام رنگون کو محصول ڈاک کے دو پیسے بھیج کر کتاب مفت منگائی جاسکتی ہے،

مثنوی فیاض، اس مین جناب محمد فیاض الدین صاحب فیاض نے چھوٹے چھوٹے سبق آموز اخلاقی قصے بطرز مثنوی لکھے ہین، حجم ۱۰۰ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت معمولی ہے قیمت عمر ہے، پتہ محمد فیاض الدین فیاض خطیب تعلقہ مومن آباد ضلع بیڑ (حیدرآباد)

ماہِ نو، مصنفہ جناب محمد مبین صاحب نازش بدایونی، اس ناول مین گذشتہ جنگ یونان و ترکی کی جنگ سقاریہ کے واقعات بتائے گئے ہین تحریک کی نشو ونما کے حالات بھی ہین، لیکن اصول فسانہ نگاری کا بہت کم لحاظ رکھاگیا ہے حجم ۸۰ صفحے کاغذ اور کتابت وطباعت محض معمولی ہے، قیمت ۶ر پتہ جنٹلمین بک ڈپو امین آباد لکھنؤ،

کی آف ہندوستانی سنپلیفائڈ، یہ ہندوستانی سنپلیفائڈ کی، جسے دی، ڈی، بٹ نے لکھی ہے اردو تشریح ہے، کلکتہ، لاہور، لکھنؤ وغیرہ کے تاجران کتب سے ملسکتی ہے،

شبیر نامہ، اس کے موضوع کا لب لباب واقعات کربلا کے سلسلہ مین شیعون کی مخالفت ہے، جذبۂ اختلاف سے متجاوز ہوکر بعض صحابہ کرام کی شان مین بھی گستاخیان کیگئی ہین، حجم ۳۶ صفحے، کاغذ اور کتابت وغیرہ محض معمولی، اسلامیہ بک ایجنسی وزیر آباد پنجاب سے ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر منگائی جاسکتی ہے،

رُوئداد مسل مقدمۂ آخرت، مؤلفہ جناب ابو الخیر صاحب وکیل ہائیکورٹ، یہ،، مضمون کا ایک اصلاحی رسالہ ہے جسمین آیات واحادیث کو پیش کر کے اعمال صالحہ واخلاق حسنہ کی تلقین کیگئی ہے، طرز بیان شستہ ہے، سرخیان قائم کرنے مین جدت کیگئی ہے اس کا مطالعہ مسلمانون کے لیے مفید ہی قیمت عہ کتابت وطباعت اچھی ہے اور کاغذ متوسط ہے، پتہ جناب ابو الخیر محمد خیر اللہ صاحب وکیل درجہ اول بمکنڈہ ضلع ورنگل حیدر آباد،

ابتدائی تعلیم کی رام کہانی، مصنفہ منشی رام پرشاد صاحب بی اے، یہ اصلاح تعلیم کے سلسلہ کی ایک کتاب ہے، اس مین مصنف نے نہایت وضاحت سے ہندوستانی دیہاتی مدارس کے نقائص بیان کر کے انکی اصلاحی تدابیر بتائی ہین، پرائمری مدرسہ کے مدرسون کو اسے ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے، حجم ۳۵۲، تقطیع چھوٹی ہے کاغذ اور کتابت وطباعت متوسط ہے، قیمت عہ پتہ جناب رام پرشاد صاحب بی اے سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس اٹیہ،

فلسفۂ عبادت، مصنفہ مولوی محمد عبد اللہ صاحب، اس مین فریضۂ صلوٰۃ پر مختلف نقطۂ نظر سے بحث کر کے ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء ... کی مفصل توضیح اور آخر مین سورۂ فاتحہ کی مفصل تفسیر بیان کیگئی ہے، عبارت اور طرز ادا موثر ہے، مسلمانون کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہے، اور لوگون مین اسکی اشاعت کی حاجت ہے، حجم ۵۶ صفحے، کاغذ اور کتابت وطباعت اچھی ہے قیمت عمر

پتہ:- مولوی محمد عبد اللہ صاحب مہتمم مدرسہ اصلاح التعلیم امرتسر،

جلد شانزدہم	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۵ء	عدد پنجم

مضامین